

مَوْعِظِ عُثْمَانِي

اصلاحی تقاریر و مضامین کا موضوع دار مجموعہ



آداب زندگی (حصہ اول)



جلد: ۱۰

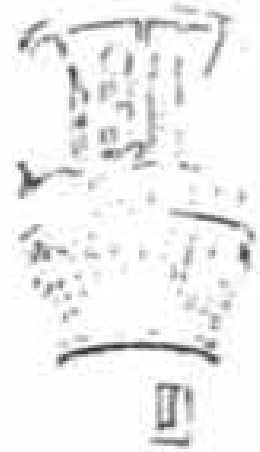
مُصَنَّفِي مُحَمَّد تَعَمِّي عُثْمَانِي

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)



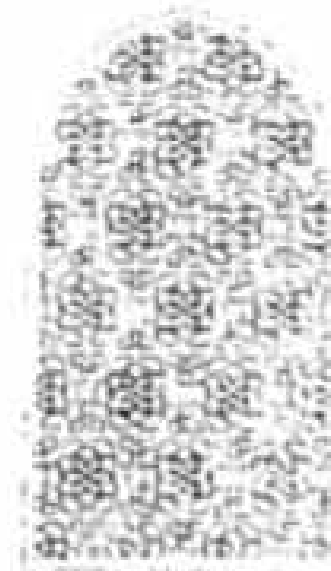
نورِ عظیمِ عثمانی

آدابِ زندگی



جلد: ۱۰

مصنفی محمد تقی عثمانی



ترجمہ و تخریج
مولانا عبد الرحمن

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نکاحی کیلئے ایک مفید ترین
لیکچر رام بیٹل

مکتبہ دارالقرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بملا شوق و حب سے بنیں مکتبہ معارف القرآن کراچی

میں بڑا شکر اٹھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ”مکتبہ معارف القرآن کراچی“ کی تصحیح و طباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

باہتمام : خضر قاسمی

طبع جدید : جنوری ۲۰۲۲ء - دسمبر ۲۰۲۲ء

ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی

ترتیب ڈیزائننگ : عمران خان

فون : 35031565, 35123130 (92-21)

ای میل : info@mmqpk.com

ویب سائٹ : www.mmqpk.com

www.maktabamaarifulquran.com

آن لائن : fb/onlinesharia

ONLINE
SHARIAH
www.com

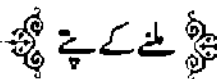
آن لائن خریداری کے لئے تشریف لائیں۔

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
maktabamaarifulquran.com

75180 پاکستان - کراچی، ایف بی ایف، ایف بی ایف



فیس بک سے خریداری کے لئے scan کریں



- | | | | |
|--------------------------------|---------------------------------|------------------------------|---------------------------|
| • مکتبہ دارالعلوم، کراچی | • فخر الدین کالج والا، کراچی | • اسلامی کتاب گھر، فیصل آباد | • مکتبہ رشیدیہ، راولپنڈی |
| • دارالاشاعت، کراچی | • مکتبہ اصلاح و تبلیغ، حیدرآباد | • مکتبہ اسلامیہ، فیصل آباد | • مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ |
| • بیت القرآن، کراچی | • ادارہ تالیفات اشرقیہ، ملتان | • مکتبہ صفوریہ، راولپنڈی | • دارالاحلام، پشاور |
| • مکتبہ القرآن، کراچی | • مکتبہ رحمانیہ، لاہور | • اسلامی کتاب گھر، راولپنڈی | • مکتبہ احیاء العلوم، کرک |
| • بیت الکتب، کراچی | • مکتبہ بیت العلوم، لاہور | • مکتبہ عثمانیہ، راولپنڈی | • مکتبہ عباسیہ، تیمرگرہ |
| • ادارہ اسلامیات، کراچی، لاہور | • مکتبہ سید احمد شہید، لاہور | • مسٹر بکس، اسلام آباد | • مکتبہ احرار، مردان |
| • مکتبہ عمر فاروق، کراچی | • الفلاح پبلیشرز، لاہور | • دارالسلام، اسلام آباد | • قرآن مجید محل، مردان |

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسول
الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من
تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

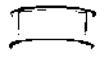
میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے
بندے کو دارالعلوم ۱۹۵۹ء میں دورہ حدیث کی تکمیل کے بعد ہی سے جمعہ کی
تقریر کرنے پر مقرر فرمادیا تھا، شروع میں اپنے لسبیلہ ہاؤس والے گھر کے قریب
عزیزی مسجد میں کئی سال جمعہ کی تقریر کرتا رہا، پھر حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی
علالت کے بعد جامع مسجد نعمان لسبیلہ ہاؤس میں ساہا سال جمعے کی تقریر کی
نوبت آتی رہی۔ ۱۹۹۹ء میں میرے استاد گرامی حضرت مولانا سبحان محمود
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی جو جامع مسجد بیت المکرم میں جمعہ پڑھایا کرتے
تھے اور ان کی تعلیمات کا فیض دور تک پھیلا ہوا تھا، اس موقع پر مجھے جامع مسجد
نعمان لسبیلہ ہاؤس سے بیت المکرم منتقل کیا گیا اور وہاں ۱۹۹۹ء سے ۲۰۲۰ء تک
جمعہ کی تقریر کا سلسلہ رہا۔

میرے شیخ مکرم حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب قدس اللہ سرہ کی

وفات کے بعد میرے استاذ حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کے حکم پر میں نے سبیلہ ہاؤس کی جامع مسجد نعمان میں اور پھر بیت المکرم میں اتوار کے دن عصر کے بعد ایک اصلاحی مجلس کا سلسلہ شروع کیا، اس وقت میری تقریریں محفوظ کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ میں انہیں اس قابل سمجھتا تھا کہ انہیں شائع کیا جائے، لیکن میرے انتہائی مشفق دوست حضرت پروفیسر شمیم احمد صاحب (جو اس وقت ”معارف القرآن“ کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے) نے میرے معاون مولانا عبد اللہ میمن صاحب سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ ان تقریروں کو ریکارڈ کر کے قلمبند کر لیا کریں، چنانچہ انہی کی تحریک پر ان اصلاحی بیانات اور کسی قدر جمعے کے خطبوں پر مشتمل ایک طویل سلسلہ ”اصلاحی خطبات“ کے نام سے منظر عام پر آ گیا جس کی اب غالباً ۲۵ جلدیں ہو چکی ہیں۔

تجربے سے معلوم ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ ان کی اشاعت مفید ہوئی اور حضرات ائمہ و خطباء بھی اپنی تقاریر میں ان سے مدد لینے لگے اور عام مسلمانوں کو بھی عام فہم انداز میں دین کی بنیادی معلومات آسانی سے پہنچنے لگیں، اس کے علاوہ بندہ کو مختلف مواقع پر کراچی یا کسی اور شہر میں، بلکہ کسی اور ملک میں بھی اس طرح کی تقریروں کا موقع ملتا رہا اور متعدد احباب انہیں قلمبند کر کے شائع کرتے رہے اور کسی خاص موضوع کے بارے میں انہی تقاریر سے متعدد مجموعے بھی مرتب کر کے شائع کیے گئے۔

مجھے ایک فکر ہمیشہ دامن گیر رہی کہ اصلاحی بیانات میں بسا اوقات واقعات اور احادیث میں صحت کا اتنا اہتمام نہیں ہوتا جتنا مستقل تالیفات میں ہوتا ہے، اس لیے میں نے اپنے احباب میں سے مولانا عنایت الرحمن صاحب کو اس پر



نامزد کیا کہ وہ میری تقاریر میں بیان کردہ احادیث یا سلف کے واقعات کی تحقیق و تخریج کریں اور جہاں غلطی ہوئی ہو، اس کی اصلاح کریں۔ میرے مشورے سے وہ یہ کام ماشاء اللہ قابلیت کے ساتھ کرتے رہے۔ مولانا عنایت الرحمن صاحب نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ ”اصلاحی خطبات“، ”اصلاحی مجالس“ اور بیانات کے مختلف مجموعوں کو بھی عنوانات و مضامین کی ترتیب سے مرتب کیا اور جو تقاریر ”ابلاغ“ میں یا کسی دوسرے رسالے میں شائع ہوئی تھیں یا کسی کتاب کا جز تھیں ان کا بھی استقصاء کر کے ایک نیا مجموعہ ”موعظ عثمانی“ کے نام سے مرتب کر دیا اور اس لحاظ سے یہ بندہ کی تقاریر، موعظ اور بیانات کا سب سے زیادہ جامع مجموعہ ہو گیا ہے اور حسب استطاعت اس میں تخریج و تحقیق کا بھی اہتمام ہے جس سے اس کے درجہ استناد میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔

دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اس بے عمل کے لیے ذخیرہ آخرت بنا دیں اور اس سے عام و خاص مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ آمین

دارالعلوم کراچی ۱۳

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۵ / محرم ۱۴۲۳ھ





عرض ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

زیر نظر کتاب سلسلہ ”مواعظ عثمانی“ جلد دہم ”آداب زندگی (حصہ اول)“ جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات، تقاریر اور مضامین کا تخریج شدہ جامع اور مستند موضوع وار مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اللہ رب العزت نے جو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی ہے وہ محتاج تعارف نہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، ماہر معاشیات اسلامی، مؤرخ، محقق، شاعر، ادیب اور مبلغ و داعی اسلام ہیں۔ اسی دعوت و ارشاد کا سلسلہ عرصہ دراز سے ہفتہ واری مجلس کی صورت میں تاحال جاری ہے اور الحمد للہ اس سے بلا مبالغہ لاکھوں انسانوں کو فائدہ ہو رہا ہے، جن میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔ اور اسی دعوت و ارشاد کی برکت سے بہت سارے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں اور آج ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے انہی بیانات و مواعظ سے علماء، طلباء اور خطباء کرام استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اور حضرت والا دامت برکاتہم کے جملہ بیانات و مواعظ تحریراً اور تقریراً عوام الناس میں مقبول ہیں اور ہر طبقہ ان سے مستفید ہو رہا ہے۔

فاضل مرتب نے اس مجموعہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اصلاحی موعظ	اصلاحی خطبات	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
خطبات دورہ ہند	خطبات عثمانی	اصلاحی مجالس
فرد کی اصلاح	نشری تقریریں	درس شعب الایمان
ذکر و فکر	ترجمتی بیانات	اصلاح معاشرہ

The Islamic months

اور اس کے علاوہ

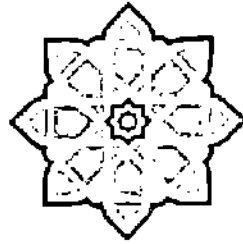
- آسان ترجمہ قرآن ◦ اسلام اور ہماری زندگی ◦ انعام الباری
- تقریر ترمذی ◦ جہان دیدہ ◦ سفر در سفر
- دنیا مرے آگے ◦ اسلام اور جدید معاشی مسائل ◦ ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، نیز ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شائع شدہ اور صوتی صورت میں محفوظ شدہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے بعض بیانات و خطبات کو شامل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر اس کی تصحیح اور تحقیق کا اہتمام ہوا ہے۔ اس لحاظ سے یہ مجموعہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے خطبات و مضامین کا جامع اور مستند ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کی ترتیب، تحقیق و تخریج حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی ہدایت پر ان کی نگرانی میں مولانا عنایت الرحمن صاحب نے کی ہے۔ اس مجموعہ کی خصوصیات اور تحقیق و تخریج کا طریقہ کار اس مجموعہ کی پہلی جلد "ایمان و عقائد و نظریات (حصہ اول)" کے شروع میں درج ہے، اس کی مراجعت ان شاء اللہ مفید رہے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور اسے ادارہ کے جملہ احباب و معاونین کے لئے ذخیرہ آخرت بنا دے۔ آمین یا رب العالمین۔

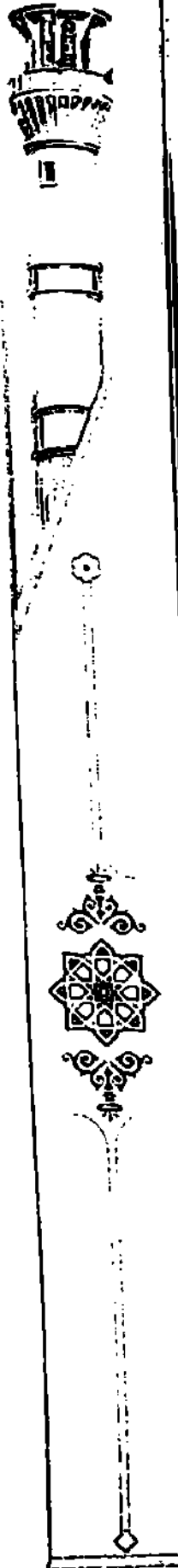
خِصْر قَاسِمِي (ناظم ادارہ)

مکتبہ معارف القرآن کلکتہ



فہرست عنوانات







()

اجمالی فہرست عنوانات

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۵	پیش لفظ	۱
۷	عرض ناشر	۲
۳۳	کھانے پینے کے آداب احادیث کی روشنی میں	۳
۳۷	کھانے کے آداب	۴
۱۲۳	رزق کا صحیح استعمال	۵
۱۵۳	پینے کے آداب	۶
۱۸۷	دعوت کے آداب	۷
۲۰۹	سلام کرنے کے آداب	۸
۲۲۷	مصافحہ کے آداب	۹
۲۲۵	ملاقات اور فون کرنے کے آداب	۱۰
۲۶۱	خدمت کے آداب	۱۱
۲۶۹	بڑوں کی اطاعت اور ادب کے تقاضے	۱۲
۲۸۷	بڑے کا اکرام کیجیے	۱۳
۳۰۷	بڑوں سے آگے مت بڑھو	۱۴
۳۲۳	بیمار کی عیادت کے آداب	۱۵



تفصیلی فہرست

صفحہ	عنوان
۳۳	کھانے پینے کے آداب احادیث کی روشنی میں
۳۷	کھانے کے آداب
۴۰	دین کے پانچ شعبے
۴۰	معاشرت کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے
۴۱	حضور اکرم ﷺ ہر چیز سکھا گئے
۴۲	کھانے کے تین آداب
۴۳	پہلا ادب ”بسم اللہ“ پڑھنا
۴۳	شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو
۴۴	گھر میں داخل ہونے کی دعا
۴۶	بڑا پہلے کھانا شروع کرے
۴۶	شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا
۴۸	بچوں کی نگہداشت کریں
۴۸	شیطان نے تے کر دی

صفحہ	عنوان
۴۹	یہ کھانا اللہ کی عطا ہے
۵۰	یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟
۵۲	مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز
۵۲	زیادہ کھانا کمال نہیں
۵۳	جانور اور انسان میں فرق
۵۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت
۵۵	کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو
۵۶	ہر کام کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو
۵۷	کھانا ایک نعمت
۵۸	کھانے کی لذت..... دوسری نعمت
۵۸	عزت سے کھانا ملنا..... تیسری نعمت
۵۹	بھوک لگنا..... چوتھی نعمت
۵۹	کھانے کے وقت عافیت..... پانچویں نعمت
۶۰	دوستوں کے ساتھ کھانا..... چھٹی نعمت
۶۰	یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے
۶۱	لعل کام کی طافی
۶۳	دستر خوان اٹھانے وقت کی دعا
۶۵	کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرائیں
۶۶	عمل چھوٹا ثواب عظیم



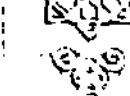
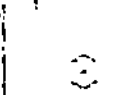
صفحہ	عنوان
۶۶	کھانے کے اندر عیب مت نکالو
۶۷	کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں
۶۸	ایک بادشاہ ایک مکھی
۶۹	ایک بچھو کا عجیب واقعہ
۷۰	نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے
۷۱	رزق کی ناقدری مت کرو
۷۲	حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور رزق کی قدر
۷۳	دسترخوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ
۷۴	آج ہمارا حال
۷۵	سرکہ بھی ایک سالن ہے
۷۶	آپ ﷺ کے گھر کی حالت
۷۶	نعمت کی قدر فرماتے
۷۷	کھانے کی تعریف کرنی چاہیے
۷۸	پکانے والے کی تعریف کرنی چاہیے
۷۹	ہدیے کی تعریف
۸۰	بندوں کا شکریہ ادا کر دو
۸۱	حضور اقدس ﷺ کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا
۸۲	اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے
۸۳	کھانے کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے



صفحہ	عنوان
۸۳	اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں
۸۵	بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں
۸۶	غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہیے
۸۸	اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں
۸۹	بزرگوں کی شان میں گستاخی سے بچو
۹۰	دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ
۹۱	مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ
۹۲	پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو
۹۲	ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں
۹۳	ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق
۹۴	مشترکہ کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے
۹۵	ملکیتوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے
۹۶	حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور ملکیت کی وضاحت
۹۷	مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ
۹۸	مشترک بیت الخلاء کا استعمال
۹۹	غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنالے
۱۰۰	ایک انگریز خاتون کا واقعہ
۱۰۱	غیر مسلم قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں
۱۰۲	بیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے



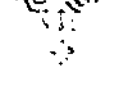
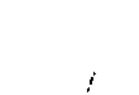
صفحہ	عنوان
۱۰۳	اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں
۱۰۳	کھانے کی بہترین نشست
۱۰۴	چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے
۱۰۵	میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا
۱۰۵	زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے
۱۰۶	بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے
۱۰۷	ایک سبق آموز واقعہ
۱۰۹	اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے
۱۰۹	بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے
۱۱۰	چار پائی پر کھانا
۱۱۱	کھانے کے وقت باتیں کرنا
۱۱۱	کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے
۱۱۲	کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے
۱۱۳	برکت کیا چیز ہے؟
۱۱۴	اسباب میں راحت نہیں
۱۱۵	راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے
۱۱۶	کھانے میں برکت کا مطلب
۱۱۶	کھانے کے باطن پر اثرات
۱۱۷	کھانے کے اثرات کا واقعہ

صفحہ	عنوان
۱۱۸	ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں
۱۱۹	کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟
۱۲۰	تہذیب اور شائستگی سنتوں پر منحصر ہے
۱۲۰	کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے
۱۲۰	فیشن کو بنیاد مت بناؤ
۱۲۱	تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے
۱۲۲	انگلیاں چاٹنے میں ترتیب
۱۲۳	کب تک ہنسے جانے سے ڈرو گے؟
۱۲۴	یہ طعنے انبیاء کی وراثت ہے
۱۲۵	اتباع سنت پر عظیم بشارت
۱۲۷	اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیں گے
۱۲۷	انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے
۱۲۸	کھانے کے بعد برتن چاٹنا
۱۲۹	ورنہ جھجھے کو چاٹ لے
۱۳۰	گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا چاہیے
۱۳۱	ان جگہوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں
۱۳۲	حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہما کا واقعہ
۱۳۳	مذاق اڑانے کے بارے سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے؟
۱۳۵	کھانے کے وقت اگر کوئی مہمان آجائے تو



صفحہ	عنوان
۱۳۶	سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ
۱۳۷	ایک عبرت آموز واقعہ
۱۳۹	حضرت مجدد الف ثانی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا ارشاد
۱۴۱	سنتوں پر عمل کریں
۱۴۳	رزق کا صحیح استعمال 
۱۵۳	پینے کے آداب 
۱۵۶	پانی پینے کا پہلا ادب
۱۵۷	پانی خدائی نظام کا کرشمہ
۱۵۹	پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی
۱۶۰	ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت
۱۶۱	تین سانس میں پانی پینا
۱۶۲	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی مختلف شانیں
۱۶۲	پانی ہو، ثواب کماؤ
۱۶۳	مسلمان ہونے کی علامت
۱۶۳	منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو
۱۶۵	ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب
۱۶۵	دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو
۱۶۶	حضرت صدیق اکبر <small>رضی اللہ عنہ</small> کا مقام

صفحہ	عنوان
۱۶۷	داہنی جانب باعصہ برکت ہے
۱۶۸	داہنی جانب کا اہتمام
۱۷۰	بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا
۱۷۰	ممانعت کی دو وجہ
۱۷۱	حضور اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شفقت
۱۷۲	مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا
۱۷۳	حضور اقدس ﷺ کے ہونٹ جس کو چھولیں
۱۷۳	یہ بال متبرک ہو گئے
۱۷۳	تبرکات کی حیثیت
۱۷۳	متبرک دراہم
۱۷۵	حضور اقدس ﷺ کا مبارک پینہ
۱۷۵	حضور اکرم ﷺ کے مبارک بال
۱۷۶	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبرکات
۱۷۶	بت پرستی کی ابتداء
۱۷۷	تبرکات میں اعتدال ضروری ہے
۱۷۸	بیشہ کر پانی پینا سنت ہے
۱۷۹	کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے
۱۸۰	بیشہ کر پینے کی فضیلت
۱۸۱	سنت کی عادت ڈال لو



صفحہ	عنوان
۱۸۱	نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے
۱۸۲	زرم کا پانی کس طرح پیا جائے؟
۱۸۳	زرم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے
۱۸۴	کھڑے ہو کر کھانا
۱۸۵	کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے
۱۸۷	دعوت کے آداب
۱۹۰	دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق ہے
۱۹۱	دعوت قبول کرنے کا مقصد
۱۹۲	وال اور خٹکے میں نورانیت
۱۹۳	دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“
۱۹۳	دعوت یا عداوت
۱۹۳	اعلیٰ درجے کی دعوت
۱۹۳	متوسط درجے کی دعوت
۱۹۵	ادنیٰ درجے کی دعوت
۱۹۵	دعوت کا انوکھا واقعہ
۱۹۶	محبت کا تقاضا ”راحت رسانی“
۱۹۷	دعوت کرنا ایک فن ہے
۱۹۸	دعوت قبول کرنے کی شرط
۱۹۹	کب تک ہتھیار ڈالو گے؟

صفحہ	عنوان
۲۰۰	پروردار خاتون اچھوت بن جائے؟
۲۰۱	دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم
۲۰۱	دعوت کے لیے نفلی روزہ توڑنا
۲۰۲	بن بلائے مہمان کا حکم
۲۰۳	وہ شخص چور اور لیٹرا ہے
۲۰۳	میزبان کے بھی حقوق ہیں
۲۰۵	پہلے سے اطلاع کرنی چاہیے
۲۰۵	مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے
۲۰۶	مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہیے
۲۰۶	میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے
۲۰۹	سلام کرنے کے آداب
۲۱۲	سات باتوں کا حکم
۲۱۲	سلام کرنے کا فائدہ
۲۱۳	سلام اللہ کا عطیہ ہے
۲۱۳	سلام کرنے کا اجر و ثواب
۲۱۵	سلام کے وقت یہ نیت کر لیں
۲۱۶	نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت
۲۱۶	جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہیے
۲۱۷	مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

صفحہ	عنوان
۲۱۷	ان مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں
۲۱۸	دوسرے کے ذریعے سلام بھیجنا
۲۱۸	تحریری سلام کا جواب واجب ہے
۲۱۹	غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ
۲۲۰	ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ
۲۲۲	حتی الامکان نرمی کرنا چاہیے
۲۲۲	سلام ایک دعا ہے
۲۲۲	حضرت معروف کرخی <small>رضی اللہ عنہ</small> کی حالت
۲۲۳	حضرت معروف کرخی <small>رضی اللہ عنہ</small> کا ایک واقعہ
۲۲۴	”شکریہ“ کے بجائے ”جزاکم اللہ“ کہنا چاہیے
۲۲۵	سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہیے
۲۲۷	مصافحہ کے آداب
۲۳۰	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے خادم خاص - حضرت انس <small>رضی اللہ عنہ</small>
۲۳۰	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی شفقت
۲۳۱	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> سے دعاؤں کا حصول
۲۳۲	حدیث کا ترجمہ
۲۳۲	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> اور تواضع
۲۳۳	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے مصافحہ کا انداز
۲۳۴	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے

صفحہ	عنوان
۲۳۲	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف سنت ہے
۲۳۶	موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے
۲۳۶	یہ مصافحے کا موقع نہیں
۲۳۶	مصافحہ کا مقصد "اظہار محبت"
۲۳۷	اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے
۲۳۸	یہ تو دشمنی ہے
۲۳۸	عقیدت کی انتہا کا واقعہ
۲۳۹	مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں
۲۴۰	مصافحہ کرنے کا ایک ادب
۲۴۱	ملاقات کا ایک ادب
۲۴۱	عیادت کرنے کا عجیب واقعہ
۲۴۵	ملاقات اور فون کرنے کے آداب
۲۴۹	دور سے بلانا ادب کے خلاف ہے
۲۴۹	حضور اقدس ﷺ پر درود و سلام کا طریقہ
۲۵۰	حاضر و ناظر کے عقیدے سے پکارنا
۲۵۱	"یا رسول اللہ" کہنا ادب کے خلاف ہے
۲۵۲	حضور اقدس ﷺ کے دروازے پر دستک دینا
۲۵۲	استاد کے دروازے پر دستک دینا



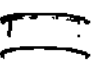
صفحہ	عنوان
۲۵۳	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعا
۲۵۴	علم سیکھنے کے لیے ادب کا لحاظ
۲۵۵	جانے سے پہلے وقت لے لو
۲۵۶	میزبان کے حقوق مہمان پر
۲۵۷	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ
۲۵۸	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برا نہیں منایا
۲۵۹	فون کرنے کے آداب
۲۶۰	لمبی بات کرنے سے پہلے اجازت لے لو
۲۶۱	خدمت کے آداب
۲۶۳	افضل خدمت
۲۶۵	خدمت کے لیے عقل کی ضرورت ہے
۲۶۵	مخدوم کی ذمہ داری
۲۶۶	افراط و تفریط نہ ہونا چاہیے
۲۶۹	بڑوں کی اطاعت اور ادب کے تقاضے
۲۷۲	لوگوں کے درمیان صلح کرانا
۲۷۴	امام کو متنبہ کرنے کا طریقہ
۲۷۵	ابوقافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں تھی
۲۷۶	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام

صفحہ	عنوان
۲۷۷	الامر فوق الادب
۲۷۷	بڑے کے حکم پر عمل کرے
۲۷۸	دین کا خلاصہ "اتباع" ہے
۲۷۸	حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی مجلس میں میری حاضری
۲۷۹	حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس میں والد صاحب کی حاضری
۲۷۹	عالمگیر اور دارالہکوفہ کے درمیان تخت نشینی کا فیصلہ
۲۸۰	خیل و حجت نہ کرنا چاہیے
۲۸۱	بزرگوں کے جوتے اٹھانا
۲۸۱	صحابہ کرام کے دو واقعات
۲۸۲	خدا کی قسم! میں نہیں مٹاؤں گا
۲۸۳	اگر حکم کی تعمیل اختیار سے باہر ہو جائے
۲۸۳	پار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے
۲۸۵	خلاصہ
۲۸۷	بڑے کا اکرام کیجیے
۲۹۰	اکرام کا ایک انداز
۲۹۱	اکرام کے لیے کھڑا ہوجانا
۲۹۱	حدیث سے کھڑے ہونے کا ثبوت
۲۹۲	مسلمان کا اکرام "ایمان" کا اکرام ہے

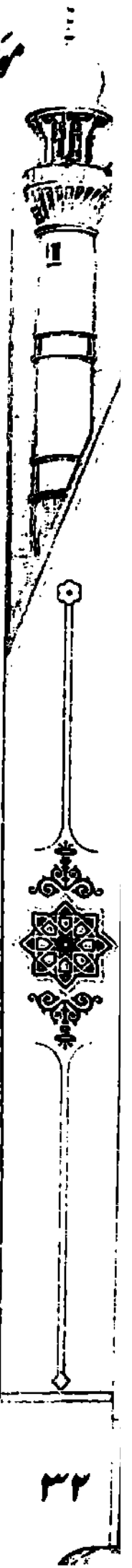


صفحہ	عنوان
۲۹۲	ایک نوجوان کا سبق آموز واقعہ
۲۹۳	انشورس کا ملازم کیا کرے؟
۲۹۳	میں مشورہ لینے نہیں آیا
۲۹۵	ظاہری شکل پر مت جاؤ
۲۹۶	معزز کافر کا اکرام
۲۹۷	کافروں کے ساتھ آپ ﷺ کا طرز عمل
۲۹۷	ایک کافر شخص کا واقعہ
۲۹۸	یہ غیبت جائز ہے
۲۹۹	برے آدمی کا آپ نے اکرام کیوں کیا؟
۳۰۰	وہ آدمی بہت برا ہے
۳۰۱	سرسید کا ایک واقعہ
۳۰۲	آپ نے اس کی خاطر مدارات کیوں کی؟
۳۰۳	دین کی نسبت کا احترام
۳۰۳	عام جلسے میں معزز کا اکرام
۳۰۴	یہ حدیث پر عمل ہو رہا ہے
۳۰۵	معزز کا اکرام باعث اجر ہے
۳۰۷	بڑوں سے آگے مت بڑھو
۳۱۰	سورۃ الحجرات دو حصوں پر مشتمل ہے
۳۱۰	قبیلہ بنو تمیم کے وفد کی آمد

صفحہ	عنوان
۳۱۱	حضرات شیخین کا اپنے طور پر امیر مقرر کرنا
۳۱۱	دو غلطیاں سرزد ہوئیں
۳۱۲	پہلی غلطی پر تشبیہ
۳۱۳	یہ قرآن قیامت تک رہنمائی کرتا رہے گا
۳۱۳	حضور کی اجازت کے بغیر گفتگو جائز نہیں
۳۱۴	عالم سے پہلے گفتگو کرنا جائز نہیں
۳۱۵	راستے میں نبی یا علماء سے آگے بڑھنا
۳۱۵	سنت کی اتباع میں کامیابی ہے
۳۱۶	تین صحابہ کے عبادت کے ارادے
۳۱۷	کوئی شخص نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا
۳۱۸	حقوق کی ادائیگی اتباع سنت ہے
۳۱۹	دین "اتباع" کا نام ہے
۳۱۹	بارش میں گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت
۳۲۰	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ
۳۲۱	اللہ سے ڈرو
۳۲۳	بیمار کی عیادت کے آداب
۳۲۶	سات باتیں
۳۲۶	بیمار پر سی ایک عبادت
۳۲۷	سنت کی نیت سے بیمار پر سی کریں



صفحہ	عنوان
۳۲۸	شیطانی حربہ
۳۲۹	صلہ رحمی کی حقیقت
۳۳۰	بیمار پرسی کی فضیلت
۳۳۱	ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں
۳۳۲	اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو
۳۳۲	مختصر عیادت کریں
۳۳۳	یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے
۳۳۴	حضرت عبداللہ بن مبارک <small>رضی اللہ عنہ</small> کا ایک واقعہ
۳۳۵	عیادت کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کرو
۳۳۶	بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے
۳۳۷	مریض کے حق میں دعا کرو
۳۳۸	بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے
۳۳۹	حصولِ شفاء کا ایک عمل
۳۴۰	ہر بیماری سے شفا
۳۴۰	عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو
۳۴۱	دین کس چیز کا نام ہے؟
۳۴۲	عیادت کے وقت ہدیہ لے جانا

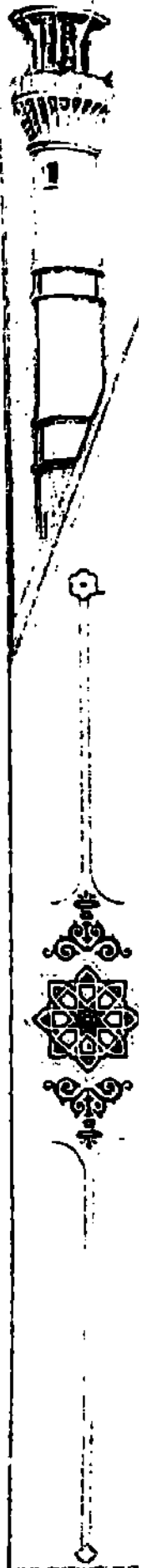




کھانے پینے کے آداب احادیث کی روشنی میں



(حضور ﷺ نے فرمایا)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کھانے پینے کے آداب احادیث کی روشنی میں



① حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بِسْمِ اللّٰهِ کھو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور (برتن کا) جو حصہ تم سے قریب ہو، وہاں سے کھاؤ۔“ (۱)

② حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور پیے تو داہنے ہاتھ سے پیے۔“ (۲)

③ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) صحیح البخاری ۶۸/۷ (۵۳۷۶) طبع دار طوق النجاة۔ صحیح مسلم ۱۰۹۹/۳
 (۲) (۲۰۲۲) طبع دار احیاء التراث العربیہ۔
 (۳) صحیح مسلم ۱۰۹۸/۳ (۲۰۲۰)۔

”شیطان تمہارے ہر کام کے وقت تمہارے پاس رہتا ہے، یہاں تک کے کھانے کے وقت بھی موجود ہوتا ہے، پس اگر کسی سے کوئی لقمہ نیچے گر جائے تو اسے چاہیے کہ اس لقمے پر جو گندگی لگی ہو اسے صاف کر لے، پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے، پھر جب کھانے سے فارغ ہو تو انگلیاں چاٹ لے اس لیے کہ معلوم نہیں ہے کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے۔“^(۱)

④ حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔“^(۲)

⑤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”دو کا کھانا تین کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہو جانا چاہیے۔“^(۳)



(۱) صحیح مسلم ۱۰۶۷/۳ (۲۰۳۳).

(۲) صحیح البخاری ۷۲/۷ (۵۳۹۸).

(۳) صحیح البخاری ۷۱/۷ (۵۳۹۳).



کھانے کے آداب

(اصلاحی خطبات ۵/۱۳۶)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کھانے کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ وَأَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا۔ أَمَا بَعْدُ

عن عمر بن ابی سلمة رضی اللہ عنہ قال: کُنْتُ غَلامًا فِي جَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِي تَطْبِيشُ فِي الصَّخْفَةِ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "يَا غَلامُ سَمِّ اللَّهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ." (۱)

(۱) صحیح البخاری ۷/۷ (۵۳۷۶) و صحیح مسلم ۲/۱۵۹۹ (۲۰۲۲)۔

دین کے پانچ شعبے

آپ حضرات کے سامنے پہلے بھی کئی مرتبہ عرض کر چکا ہوں کہ دین اسلام نے جو احکام ہم پر عائد کیے ہیں وہ پانچ شعبوں سے متعلق ہیں۔ یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق۔ دین ان پانچ شعبوں سے مکمل ہوتا ہے، اگر ان میں سے کسی کو بھی چھوڑ دیا جائے گا تو پھر دین مکمل نہیں ہوگا، لہذا عقائد بھی درست ہونے چاہئیں، عبادات بھی صحیح طریقے سے انجام دینی چاہئیں، لوگوں کے ساتھ لین دین اور خرید و فروخت کے معاملات بھی شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں اور باطن کے اخلاق بھی درست ہونے چاہئیں اور زندگی گزارنے کے طریقے بھی درست ہونے چاہئیں۔ جس کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

معاشرت کی اصلاح کے بغیر دین ناقص ہے

اب تک اخلاق کا بیان چل رہا تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے، اس میں دین کے جس شعبے کے بارے میں احادیث لائے ہیں وہ ہے ”معاشرت“۔ معاشرت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنا۔ زندگی گزارنے کے صحیح طریقے کیا ہیں؟ یعنی کھانا کس طرح کھائیں؟ پانی کس طرح پیئیں؟ گھر میں کس طرح رہیں؟ دوسروں کے سامنے کس طرح رہیں؟ یہ سب باتیں معاشرت کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ
”آج کل لوگوں نے معاشرت کو تو دین سے بالکل خارج

کر دیا ہے اور اس میں دین کے عمل دخل کو لوگ قبول نہیں کرتے، حتیٰ کے جو لوگ نماز روزے کے پابند ہیں، بلکہ تہجد گزار ہیں، ذکر و تسبیح کرنے پابند ہیں، لیکن معاشرت ان کی بھی خراب ہے، دین کے مطابق نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کا دین ناقص ہے۔“

اس لیے معاشرت کے بارے میں جو احکام اور تعلیمات اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہیں ان کو جاننا، ان کی اہمیت پہچاننا اور ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہر چیز سکھا گئے

معاشرت کے بارے میں علامہ نووی رحمہ اللہ نے پہلا باب ”کھانے پینے کے آداب“ سے شروع فرمایا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے ہر شعبے سے متعلق بڑی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں، اسی طرح کھانے پینے کے بارے میں بھی اہم تعلیمات عطا فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مشرک نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ

تمہارے نبی تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں، حتیٰ کہ قضاے حاجت کا طریقہ بھی سکھاتے ہیں؟

اس کا مقصد اعتراض کرنا تھا کہ بھلا قضاے حاجت کا طریقہ بھی کوئی سکھانے کی چیز ہے۔ یہ تو کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ ایک نبی اور پیغمبر جیسا جلیل القدر اور عظیم الشان انسان اس کے بارے میں کچھ کہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جس چیز کو تم اعتراض کے طور پر بیان کر رہے ہو، وہ ہمارے لیے فخر کی بات ہے، یعنی ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز سکھائی ہے، یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی سکھایا کہ جب ہم قضاء حاجت کے لیے جائیں تو قبلہ رخ نہ بیٹھیں اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں ^(۱)۔ جیسے ماں باپ اپنی اولاد کو سب کو کچھ سکھاتے ہیں۔ اس لیے کہ اگر ماں باپ اس بات سے شرمانے لگیں کہ اپنی اولاد کو پیشاب پاخانے کے کیا طریقے بتائیں؟ تو اس صورت میں اولاد کو کبھی پیشاب پاخانے کا صحیح طریقہ نہیں آئے گا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر اور آپ سب پر ماں باپ سے کہیں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر چیز کے طریقے سکھائے۔ ان میں کھانے کا طریقہ بھی ہے اور کھانے کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ایسے آداب بیان فرمائے جن کے ذریعے کھانا عبادت بن جائے اور باعثِ اجر و ثواب بن جائے۔

کھانے کے تین آداب

چنانچہ یہ حدیث جو میں نے ابھی پڑھی ہے اس میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کھانے کے وقت اللہ کا نام لو۔ یعنی ”بسم اللہ“ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور برتن کے اس حصے سے کھاؤ جو تم سے قریب تر ہے، آگے بڑھا کر دوسری جگہ سے مت کھاؤ۔ اس حدیث میں تین آداب بیان فرمادیے۔

(۱) صحیح مسلم ۱/۲۲۲ (۲۶۲)۔

پہلا ادب ”بسم اللہ“ پڑھنا

ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا شروع کرے تو اللہ کا نام لے اور اگر کوئی شخص شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھنا بھول گیا تو اس کو چاہیے کہ کھانا کھانے کے دوران جب بھی ”بسم اللہ“ پڑھنا یاد آئے اس وقت یہ الفاظ کہہ دے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا (۱)

اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں، اول میں بھی اللہ کا نام اور آخر میں بھی اللہ کا نام۔

شیطان کے قیام و طعام کا انتظام مت کرو

ایک حدیث میں سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے اور کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں نہ تو تمہارے لیے رات کو رہنے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی کھانے کے لیے کوئی گنجائش ہے، اس لیے کہ اس شخص نے گھر میں داخل

(۱) سنن ابی داؤد ۳۴۷/۳ (۲۷۶۷) للمکتبة العصریة بیروت، و سنن الترمذی ۳/۴۷۴ (۱۸۵۸)

وقال هذا حدیث حسن صحیح (طبع دار الغرب الإسلامی).

ہوتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا اور کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام لے لیا، اس لیے نہ تو یہاں قیام کا انتظام ہے اور نہ طعام کا انتظام ہے اور اگر کسی شخص نے گھر داخل ہوتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا اور ویسے ہی گھر میں داخل ہو گیا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ لو بھائی! تمہارے قیام کا انتظام بھی ہو گیا، تم یہاں رات گزار سکتے ہو۔ کیونکہ یہاں پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اور جب وہ شخص کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا نام نہیں لیتا تو اس وقت شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہارے طعام کا بھی انتظام ہو گیا۔^(۱)

گھر میں داخل ہونے کی دعا

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے دو باتوں کی تاکید فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ جب آدمی گھر میں داخل ہو تو اللہ کا نام لے کر داخل ہو اور بہتر یہ ہے کہ وہ دعا پڑھے جو حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللَّهِ
وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللَّهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللَّهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا“^(۲)

(۱) صحیح مسلم ۱۵۹۸/۳ (۲۰۱۸) و سنن ابی داؤد ۳۴۶۷/۳ (۲۷۶۵)۔

(۲) سنن ابی داؤد ۳۲۵/۴ (۵۰۹۶) والحديث سكت عنه أبو داود، وقال المنذري في "مختصره" ۴۶۰/۴ (۴۹۲۳): في إسناده محمد بن إسحاق بن عياض وأبوه، وفيهما مقال. (طبع دار الكتب العلمية) والدعوات الكبير للبيهقي ۷۱/۲ (۴۸۰) طبع غراس للنشر الكويت- والمعجم الكبير للطبراني ۲۹۶۷/۲ (۳۴۵۲) طبع مكتبة ابن تيمية القاهرة.



اے اللہ میں آپ سے بہترین داخلہ مانگتا ہوں کہ میرا داخلہ
خیر کے ساتھ ہو اور جب گھر سے نکلوں تو بھی خیر کے ساتھ
نکلوں۔

حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو یہ دعا
پڑھتے تھے۔ اس لیے کہ جب آدمی گھر میں داخل ہوتا ہے تو اسے کچھ پتہ نہیں
ہوتا کہ میرے پیچھے گھر میں کیا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد
تکلیف کی خبر ملے یا رنج اور صدمے اور پریشانی کی خبر ملے، چاہے وہ دنیوی
پریشانی کی خبر ہو یا دینی پریشانی کی خبر ہو۔ اس لیے کہ گھر میں داخل ہونے سے
پہلے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لو کہ یا اللہ! میں گھر میں داخل ہو رہا ہوں، اندر جا کر
میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو اچھی حالت میں پاؤں اور اس کے بعد پھر
ضرورت سے دوبارہ گھر سے نکلنا تو ہوگا، لیکن وہ نکلنا بھی خیر کے ساتھ ہو، کسی
پریشانی یا دکھ اور تکلیف کی وجہ سے گھر سے نہ نکلنا پڑے: مثلاً گھر میں داخل
ہونے کے بعد پتہ چلا کہ گھر والے بیمار ہیں، اب ان کے علاج اور دوا کے لیے
گھر سے باہر نکلنا پڑا یا گھر میں کوئی پریشانی آگئی اور اب اس پریشانی کے مداوا
کے لیے حضور اقدس ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمادی کہ گھر میں داخل ہوتے
وقت یہ دعا پڑھ کر لیا کرو۔

دعا پڑھنا یاد نہ آئے تو اپنے گھر کے دروازے پر لکھ کر لگالو، تاکہ اس کو دیکھ
کر یاد آجائے اس لیے یہ دعا دنیاوی پریشانیوں سے بچانے کا سبب ہے اور
آخرت کا ثواب اور فضیلت الگ حاصل ہوگی۔ لہذا جب انسان یہ دعا پڑھتے
ہوئے داخل ہوا کہ میرا داخل ہونا بھی خیر کے ساتھ ہو اور میرا نکلنا بھی خیر کے

ساتھ ہو تو پھر بتائیے کہ شیطان کی اس گھر میں قیام کرنے کی گنجائش کہاں باقی رہے گی؟ اس لیے شیطان کہتا ہے کہ اس گھر میں میرے لیے قیام کا انتظام نہیں۔

بڑا پہلے کھانا شروع کرے

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے میں شریک ہوتے تو ہمارا یہ معمول تھا کہ جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانا شروع نہ فرماتے، اس وقت تک ہم لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے تھے، بلکہ اس کا انتظار کرتے تھے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔ اس وقت ہم کھانا شروع کریں ^(۱)۔

اس حدیث سے فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جب کوئی چھوٹا کسی بڑے کے ساتھ کھانا کھا رہا ہو تو ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ چھوٹا خود پہلے شروع نہ کریں، بلکہ بڑے کے شروع کرنے کا انتظار کرے۔

شیطان کھانا حلال کرنا چاہتا تھا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، اتنے میں ایک نو عمر بچی بھاگتی ہوئی آئی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھوک سے بے تاب ہے اور ابھی تک کسی نے کھانا شروع نہیں کیا تھا، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تک کھانا شروع نہیں

(۱) صحیح مسلم ۱۵۹۷/۳ (۲۰۱۷)۔

فرمایا تھا، مگر اس بچی نے آکر جلدی سے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تو آنحضرت ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو کھانا کھانے سے روک دیا، پھر تھوڑی دیر بعد ایک دیہاتی آیا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ بھی بھوک سے بہت بے تاب ہے اور کھانے کی طرف لپک رہا ہے، اس نے بھی آکر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا تو حضور اقدس ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور اس کو بھی کھانے سے روک دیا۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

”إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَجِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَا يَذْكَرَ اسْمَ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ وَإِنَّهٗ جَاءَ بِهَذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَجِلَّ بِهَا فَأَخَذَتْ بِيَدِهَا، فَجَاءَ بِهَذَا الْأَعْرَابِي لِيَسْتَجِلَّ بِهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، إِنْ يَدُهُ فِي يَدِي مَعَ يَدِهَا۔“ (۱)

شیطان اس کھانے کو اس طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہتا تھا کہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، چنانچہ اس نے لڑکی کے ذریعے کھانا حلال کرنا چاہا، مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس نے اس دیہاتی کے ذریعے کھانا حلال کرنا چاہا۔ مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اللہ کی قسم! شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔

(۱) صحیح مسلم ۱۵۹۷/۳ (۲۰۱۷)۔

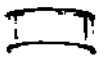
بچوں کی نگہداشت کریں

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ بڑے کا کام یہ ہے کہ اگر چھوٹا اس کی موجودگی میں اللہ کا نام لیے بغیر کھانا شروع کر رہا ہے تو بڑے کو چاہیے کہ وہ اس کو متنبہ کرے اور ضرورت ہو تو اس کا ہاتھ پکڑ لے اور اس سے کہے کہ پہلے ”بسم اللہ“ کہو، پھر کھاؤ۔

آج ہم لوگ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کھانے پر بیٹھتے ہیں، لیکن اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ اولاد اسلامی آداب کا لحاظ کر رہی ہے یا نہیں؟ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں اس بات کی تعلیم دے دی کہ بڑے کا فرض ہے کہ وہ بچوں کی طرف نگاہ رکھے اور ان کو ٹوکتا رہے اور ان کو اسلامی آداب سکھائے، ورنہ کھانے کی برکت دور ہو جائے گی۔

شیطان نے قے کر دی

حضرت امیہ بن مخش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس نے بسم اللہ کے بغیر کھانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ سارا کھانا کھا لیا۔ صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا، جب وہ شخص اس آخری لقمے کو منہ کی طرف لے جانے لگا تو اس وقت یاد آیا کہ میں نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ جب آدمی کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران جب اس کو بسم اللہ پڑھنا یاد آ جائے تو اس وقت وہ ”بسم اللہ اولہ و آخرہ“ پڑھ لے، جب اس شخص نے یہ دعا پڑھی تو



حضور اقدس ﷺ اس کو دیکھ کر ہنسنے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت یہ کھانا کھا رہا تھا تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا اور ”بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ“ پڑھ لیا تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا، اس کی تہ کر دی اور اس کھانے میں اس کا جو حصہ تھا اس ایک چھوٹے سے جملے کی وجہ سے وہ ختم ہو گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر تبسم فرمایا اور آپ ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر آدمی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو جب یاد آجائے۔ اس وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ“ پڑھ لے، اس کی وجہ سے کھانے کی بے برکتی زائل ہو جائے گی۔ (۱)

یہ کھانا اللہ کی عطا ہے



ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لینا چاہیے اور کہنے کو تو یہ معمولی بات ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا، لیکن اگر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے ایک طرف تو یہ کھانا کھانا عبادت اور باعثِ ثواب بن جاتا ہے اور دوسری طرف اگر آدمی ذرا دھیان سے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کہہ لے تو اس کی وجہ سے اللہ ﷻ کی معرفت کا بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“

(۱) مسند احمد ۲۹۶/۳۱ (۱۸۹۶۳) طبع الرسالة، وسنن ابی داود ۳۴۷/۳ (۲۷۶۸) وللمستدرک للحاکم ۱۲۱/۴ (۷۰۸۹) وقال هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه ووافقه الذهبي في "التلخيص".

پڑھنا حقیقت میں انسان کو اس طرف متوجہ کر رہا ہے کہ جو کھانا میرے سامنے اس وقت موجود ہے یہ میری قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے، بلکہ کسی دینے والے کی عطا ہے۔ میرے بس میں یہ بات نہیں تھی کہ میں یہ کھانا مہیا کر لیتا اور اس کے ذریعے اپنی ضرورت پوری کر لیتا۔ اپنی بھوک مٹا دیتا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا کرم ہے کہ اس نے مجھے یہ کھانا عطا فرما دیا۔

یہ کھانا تم تک کس طرح پہنچا؟

اور درحقیقت یہ ”بسم اللہ“ کا پڑھنا اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ ذرا غور تو کرو کہ یہ ایک نوالہ جو تم نے منہ میں رکھا اور ایک سیکنڈ میں تم نے حلق سے نیچے اتار لیا، اس ایک نوالے کو تمہارے منہ تک پہنچانے کے لیے کائنات کی کتنی قوتیں صرف ہوئیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ روٹی کا ایک ٹکڑا کس طرح تم تک پہنچا؟ کہاں کس کاشت کار نے بیج بونے سے پہلے زمین کو نرم اور ہموار کرنے کے لیے کتنی مدت تک بیلوں کے ذریعے ہل چلایا؟ اور پھر اس زمین کے اندر بیج ڈالا اور پھر اس کو پانی دیا، پھر اس کے اوپر مسلسل ہوائیں چلیں، سورج نے اس کے اوپر روشنی کی کرنیں ڈالیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے بادل بھیج کر بارشیں برسائیں۔ اس کے بعد جا کر باریک اور کمزوری ایک کوئیل نمودار ہوئی اور وہ کوئیل اتنی کمزور کہ اگر ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کو اپنے ہاتھ سے دباوے تو وہ مسل جائے، لیکن زمین ہمیشہ سخت چیز کا پیٹ پھاڑ کر اس میں شکاف ڈال کر نمودار ہو رہی ہے، پھر اس کوئیل سے پودا بنا اور پودے سے درخت بنا اور پھر اس کے اوپر خوشے نمودار ہوئے اور پھر اس پر فیلے کے دانے پیدا ہوئے، پھر کتنے انسان اس کے توڑنے میں شریک ہوئے اور کتنے جانوروں نے اس کو روند کر اس کا بھوسہ الگ اور دانہ



الگ کیا، پھر وہاں سے کتنے شہروں میں ہوتا ہوا تمہارے شہر میں پہنچا اور کتنے انسان اس کی خرید و فروخت میں شریک ہوئے پھر کس نے اس گندم کو چکی میں پیس کر آٹا بنایا اور پھر تم اس کو خرید کر اپنے گھر لائے اور کس نے اس آٹا کو گوند کر روٹی پکائی؟ اور جب وہ روٹی تمہارے سامنے آئی تو تم نے ایک لمحے کے اندر منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے اتار دیا۔



اب ذرا سوچو، کیا یہ تمہاری قدرت میں تھا کہ تم کائنات کی ان ساری قوتوں کو جمع کر کے روٹی کے ایک نوالے کو تیار کر کے حلق سے نیچے اتار لیتے؟ کیا آسمان سے بارش برسانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا سورج کی کرنوں کو پہنچانا تمہاری قدرت میں تھا؟ کیا تمہاری قدرت میں یہ تھا کہ تم اس کمزور کونیل کو زمین سے نکالتے؟ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْمِلُونَ ﴿٦٣﴾ ؕ أَنْتُمْ تَزْرَعُونَهَا أَمْ نَحْنُ
الزَّارِعُونَ ﴿٦٤﴾ (۱)

ذرا غور کرو کہ تم جو چیز زمین میں ڈالتے ہو۔ کیا تم اس کے اگانے والے ہو یا ہم اس کو اگاتے ہیں؟

تم اس کے لیے کتنے پیسے بھی خرچ کر لیتے، کتنے ہی وسائل جمع کر لیتے، مگر پھر بھی یہ کام تمہارے بس میں نہیں تھا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس دھیان اور استحضار کے ساتھ کھاؤ گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور ان کا کرم ہے کہ انہوں نے مجھے عطا فرمایا، تو وہ سارا کھانا تمہارے لیے عبادت بن جائے گا۔

(۱) سورة الواقعة آیت (۶۳ و ۶۴)۔

مسلمان اور کافر کے کھانے میں امتیاز

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ فرمایا کرتے تھے کہ دین درحقیقت زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے۔ ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی۔ مثلاً یہی کھانا ”بسم اللہ“ پڑھے بغیر کھالو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کے استحضار کے بغیر کھالو۔ تو پھر اس کھانے کی حد تک تم میں اور کافر میں فرق نہیں۔ اس لیے کھانا کافر بھی کھا رہا ہے اور تم بھی کھا رہے ہو؟ اس کھانے کے ذریعے سے تمہاری بھوک دور ہو جائے گی اور زبان کو چٹخارہ مل جائے گا، لیکن وہ کھانا تمہاری دنیا ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور جیسے گائے، بھینس اور بکری اور دوسرے جانور کھا رہے ہیں اسی طرح تم بھی کھا رہے ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

زیادہ کھانا کمال نہیں

دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک بڑا حکیمانہ واقعہ ہے۔ ان کے زمانے میں آریہ سماج ہندوؤں نے اسلام کے خلاف بڑا شور مچایا ہوا تھا۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ان آریہ سماج والوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ایک مناظرے کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں ایک آریہ سماج کے پنڈت سے مناظرہ تھا اور مناظرے سے پہلے کھانے کا انتظام تھا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بہت تھوڑا کھانے کے عادی تھے، جب کھانا کھانے بیٹھے تو حضرت والا چند نوالے کھا کر اٹھ گئے اور جو آریہ سماج کے عالم تھے، وہ کھانے کے استاد

تھے، انہوں نے خوب ڈٹ کر کھایا، جب کھانے سے فراغت ہوئی تو میزبان نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: حضرت آپ نے تو بہت تھوڑا سا کھانا کھایا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے جتنی خواہش تھی اتنا کھالیا۔ وہ آری سماج بھی قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ مولانا آپ کھانے کے مقابلے تو ابھی سے ہار گئے اور یہ آپ کے لیے بد حالی ہے کہ جب آپ کھانے پر ہار گئے تو اب دلائل کا مقابلہ ہے تو اس میں آپ ہار جائیں گے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ بھائی اگر کھانے کے اندر مناظرہ اور مقابلہ کرنا تھا تو مجھ سے کرنے کی کیا ضرورت تھی، کسی بھینس یا بیل سے کر لیا ہوتا، اگر اس سے مناظرہ کریں گے تو آپ یقیناً بھینس سے بھی ہار جائیں گے۔ میں تو دلائل میں مناظرہ کرنے آیا تھا، کھانے میں مناظرہ اور مقابلہ کرنے تو نہیں آیا تھا۔

جانور اور انسان میں فرق

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب میں اس طرف اشارہ فرمادیا کہ اگر غور سے دیکھو تو کھانے پینے کے اندر انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ جانور بھی کھاتا اور انسان بھی کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر جانور کو رزق دیتا ہے اور بسا اوقات ان کو تم سے اچھا رزق دیتا ہے، لیکن ان کے درمیان اور تمہارے درمیان فرق یہ ہے کہ تم کھانا کھاتے وقت اپنے کھلانے والے کو فراموش نہ کرو، بس جانور اور انسان میں یہی فرق ہے۔

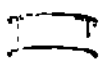
حضرت سلیمان علیہ السلام کی مخلوق کو دعوت

واقعہ لکھا ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ساری دنیا پر

حکومت عطا فرمادی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی: ”یا اللہ! جب آپ نے مجھے ساری دنیا پر حکومت عطا فرمادی تو میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی ساری مخلوق کی ایک سال تک دعوت کر دوں۔“ اللہ نے فرمایا کہ ”یہ کام تمہاری قدرت اور بس میں نہیں۔“ انہوں نے پھر درخواست کی: ”یا اللہ! ایک ماہ کی دعوت کی اجازت دے دیں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”تم اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے،“ پھر انہوں نے درخواست کی کہ ”یا اللہ! ایک دن کی اجازت دے دیجئے،“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”تم اس کی بھی قدرت نہیں رکھتے، لیکن اگر تمہارا اصرار ہے تو چلو ہم تمہیں اس کی اجازت دے دیتے ہیں۔“

جب اجازت مل گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام جنات اور انسانوں کو اجناس اور غذائیں جمع کرنے کا حکم دیا اور کھانا پکنا شروع ہوا اور کئی مہینوں تک کھانا تیار ہوتا رہا اور پھر سمندر کے کنارے ایک بہت لمبا چوڑا دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر کھانا چنا گیا اور ہوا کو حکم دیا کہ وہ اس پر چلتی رہے تاکہ کھانا خراب نہ ہو جائے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی یا اللہ! کھانا تیار ہو گیا ہے۔ آپ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھیج دیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم پہلے سمندری مخلوق میں سے ایک مچھلی کو تمہاری دعوت کھانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک مچھلی سمندر سے نکلی اور کہا کہ اے سلیمان! معلوم ہوا ہے کہ آج تمہاری طرف سے دعوت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں تشریف لائیں، کھانا تناول کریں چنانچہ اس مچھلی نے دسترخوان کے ایک کنارے سے کھانا شروع کیا اور دوسرے کنارے تک سارا کھانا ختم کر گئی، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ اور لائیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تم تو سارا کھانا کھا گئی۔ مچھلی نے کہا کہ کیا



میزبان کی طرف سے مہمان کو یہی جواب دیا جاتا ہے۔ جب سے میں پیدا ہوئی ہوں، اس وقت سے لے کر آج تک ہمیشہ پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہے، لیکن آج تمہاری دعوت کی وجہ سے بھوکی رہی ہوں اور جتنا کھانا تم نے تیار کیا تھا اللہ تعالیٰ مجھے اتنا کھانا دن میں دو مرتبہ کھلاتے ہیں، مگر آج پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملا۔ بس، حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سجدے میں گر گئے اور استغفار کیا۔^(۱)

کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرو



بہر حال! اللہ تعالیٰ ہر ایک مخلوق کو رزق دے رہے ہیں، سمندر کی تہہ میں اور اس کی تاریکیوں میں، رزق عطا فرما رہے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا^(۲)

کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ اس کی روزی

اللہ کے ذمے نہ ہو۔

لہذا کھانے کی حد تک تمہارے اور جانوروں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کو بھی مل رہی ہیں۔ جانوروں کو چھوڑیے، اللہ تعالیٰ تو اپنے ان دشمنوں کو بھی رزق دے رہا ہے جو اللہ کے وجود کا انکار کر رہے ہیں، خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں، خدا کی توہین کر رہے ہیں، جو اس کے بھیجے ہوئے دین کا مذاق اڑا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دے رہا ہے، لہذا کھانے کے اعتبار

(۱) شرح أسماہ اللہ الحسنی للقشیری ص ۱۶۶، طبع دار آزال بیروت وحیاء الحیوان للدمیری ۱/۳۸۰۔ طبع دار الکتب العلمیة۔

(۲) سورة هود آیت (۶)۔

سے تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ وہ فرق یہ ہے کہ جانور اور کافر اور مشرک صرف زبان کے چٹخارے اور پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر کھاتا ہے، اس لیے وہ کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام نہیں لیتا، اللہ کا ذکر نہیں کرتا۔ تم مسلمان ہو، تم ذرا سا خیال اور دھیان کر کے، اس کھانے کو اللہ کی عطا سمجھ کر، اس کا نام لے کر کھاؤ اور پھر شکر ادا کرو تو یہی کھانا دین بن جائے گا۔

ہر کام کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال اس بات کی مشق کی ہے۔ مثلاً میں گھر میں داخل ہوا اور کھانے کا وقت آیا اور دسترخوان پر بیٹھے، کھانا سامنے آیا، اب بھوک شدید ہے اور کھانا بھی لذیذ ہے، دل چاہ رہا ہے کہ فوراً کھانا شروع کر دوں، لیکن ایک لمحے کے لیے کھانے سے رک گیا اور دل سے کہا کہ یہ کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس کے بعد دوسرے لمحے یہ سوچا کہ یہ کھانا اللہ کی عطا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے، یہ میرے قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھانا سامنے آتا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے اس کو کھالیا کرتے تھے^(۱)۔ اس لیے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کھانے کو کھاؤں گا۔ اس کے بعد بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرتا ہوں۔

گھر میں داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا۔ دل چاہا کہ اس کو گو

(۱) ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد ۳۶۶/۳ (۲۸۰۰) و سنن الترمذی ۴۵۱/۵ (۳۴۵۷) و سنن ابن ماجہ ۲۱/۵ (۳۲۸۳)۔

میں اٹھا کر پیار کریں، لیکن ایک لمحے کے لیے رک گئے اور سوچا کہ محض دل چاہنے پر بچے کو گود میں نہیں لیں گے، پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ بچوں سے محبت فرمایا کرتے تھے (۱) اور ان کو گود میں لے لیا کرتے تھے۔ اب میں آپ ﷺ کی سنت کی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤں گا۔ اس کے بعد بچے کو اٹھالیا۔ حضرت والا رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ساہا سال تک اس عمل کی مشق کی ہے اور پھر یہ شعر سنایا کرتے تھے کہ

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش میں

کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

ساہا سال کی مشق کے بعد یہ چیز حاصل ہوئی ہے اور الحمد للہ! حتمی نہیں ہوتا۔ اب جب بھی اس قسم کی کوئی نعمت سامنے آتی ہے تو پہلے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ اللہ کی عطا ہے اور پھر اس پر شکر ادا کر کے بسم اللہ پڑھ کر اس کام کو کر لیتا ہوں اور اب عادت پڑ گئی ہے اور اسی کو زاویہ نگاہ کی تبدیلی کہتے ہیں، اس کے نتیجے میں دنیا کی چیز دین بن جاتی ہے۔

کھانا ایک نعمت

ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ایک دعوت میں گئے۔ جب دسترخوان پر کھانا آیا اور کھانا شروع کیا گیا تو حضرت والا رضی اللہ عنہ نے فرمایا

(۱) صحیح مسلم ۱۸۰۸/۴ (۲۳۱۸)۔

کہ تم ذرا غور کرو کہ ایک کھانے میں جو تم اس وقت کھا رہے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی کتنی نعمتیں شامل ہیں، سب سے پہلے تو کھانا مستقل نعمت ہے۔ اس لیے اگر انسان شدید بھوکا ہو اور بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو اور کھانے کی کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس وقت خواہ کتنا ہی خراب سے خراب کھانا اس کے سامنے لایا جائے، وہ اس کو بھی غنیمت سمجھ کر کھانے کے لیے تیار ہو جائے گا اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کھانا اچھا ہو یا برا ہو، لذیذ ہو یا بے مزہ ہو، وہ کھانا بذات خود ایک نعمت ہے۔ اس لیے وہ بھوک کی تکلیف کو دور کر رہا ہے۔

کھانے کی لذت..... دوسری نعمت

دوسری نعمت یہ ہے کہ یہ کھانا مزے دار بھی ہے، اپنی طبیعت کے مطابق بھی ہے، اب اگر کھانا تو موجود ہوتا، لیکن مزے دار نہ ہوتا اور اپنی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو ایسے کھانے کو کھا کر کسی طرح پیٹ بھر کر بھوک تو مار لیتے، لیکن لذت حاصل نہیں ہوتی۔

عزت سے کھانا ملنا..... تیسری نعمت

تیسری نعمت یہ ہے کہ کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔ اب اگر کھانا بھی میسر ہوتا اور مزیدار بھی ہوتا، لذیذ بھی ہوتا، لیکن کھلانے والا ذلت کے ساتھ کھلاتا اور جیسے کسی لوکر اور غلام کو کھلایا جاتا ہے، اس طرح ذلیل کر کے کھلاتا، تو اس وقت اس کھانے کی ساری لذت دھری رہ جاتی اور سارا مزہ خراب ہو جاتا تو

جیسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ۔

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہذا اگر کوئی شخص ذلیل کر کے کھانا کھلا رہا ہے تو اس کھانے میں کوئی لطف

نہیں، وہ کھانا بے حقیقت ہے، الحمد للہ ہمیں یہ تیسری نعمت بھی حاصل ہے کہ

کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے۔

بھوک لگنا..... چوتھی نعمت

چوتھی نعمت یہ ہے کہ بھوک اور کھانے کی خواہش بھی ہے۔ اس لیے کہ اگر کھانا بھی میسر ہوتا اور وہ کھانا لذیذ بھی ہوتا اور کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، لیکن بھوک نہ ہوتی اور معدہ خراب ہوتا تو اس صورت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کھانا بھی بے کار ہے، اس لیے کہ انسان اس کو نہیں کھا سکتا، تو الحمد للہ! کھانا بھی لذیذ ہے، کھلانے والا عزت سے کھلا رہا ہے اور کھانے کی بھوک اور خواہش بھی موجود ہے۔

کھانے کے وقت عافیت..... پانچویں نعمت

پانچویں نعمت یہ ہے کہ عافیت اور اطمینان کے ساتھ کھا رہے ہیں، کوئی پریشانی نہیں ہے، اس لیے کہ اگر کھانا تو لذیذ ہوتا، کھلانے والا عزت سے بھی کھلاتا، بھوک بھی ہوتی، لیکن طبیعت میں کوئی ایسی پریشانی لاحق ہوتی، کوئی فکر طبیعت پر ہوتی یا اس وقت کوئی خطرناک قسم کی خبر مل جاتی، جس سے دل و دماغ

پریشان اور ماؤف ہو جاتا تو ایسی صورت میں بھوک ہوتے ہوئے بھی وہ کھانا انسان کے لیے بیکار ہو جاتا ہے، الحمد للہ اعفیت اور اطمینان حاصل ہے، کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے، جس کی وجہ سے کھانا بے لذت، بے مزہ ہو جاتا۔

دوستوں کے ساتھ کھانا..... چھٹی نعمت

چھٹی نعمت یہ ہے کہ اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا رہے ہیں، فرض کریں اگر یہ سب نعمتیں حاصل ہوتیں، لیکن اکیلے بیٹھے کھا رہے ہوتے۔ تو وہ لطف حاصل نہ ہوتا۔ اس لیے کہ تنہا کھانے میں اور اپنے دوست و احباب کے ساتھ مل کر کھانے میں جو کیف اور لطف حاصل ہوتا ہے وہ تنہا کھاتے وقت حاصل نہیں ہو سکتا، لہذا یہ ایک مستقل نعمت ہے۔ بہر حال! فرمایا کرتے تھے کہ یہ کھانا ایک نعمت ہے، لیکن اس ایک کھانے میں اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں شامل ہیں تو کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرو گے؟

یہ کھانا عبادتوں کا مجموعہ ہے

لہذا جب یہ کھانا اس استحضار کے ساتھ کھایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو پھر ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کر کے کھاؤ اور جب اس طرح ہر نعمت پر شکر ادا کرتے ہوئے کھاؤ گے تو ایک طرف تو کھانے کے اندر عبادتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، اس لیے کہ اگر صرف ”بسم اللہ“ پڑھ کر کھانا کھا لیتے اور ان نعمتوں کا استحضار نہ کرتے، تو بھی وہ کھانا عبادت بن جاتا، لیکن کئی نعمتوں کا استحضار کرتے ہوئے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کھانا کھایا تو یہ کھانا بہت سی عبادتوں کا مجموعہ بن گیا اور اس کے نتیجے میں یہ کھانا جو حقیقت میں دنیا

ہے۔ ایک طرف اس کے ذریعے لذت بھی حاصل ہو رہی ہے اور دوسری طرف تمہاری نیکیوں میں بھی اضافہ کا سبب بن رہا ہے۔ بس اسی کا نام ”زاویہ نکاہلی تبدیلی“ ہے۔ اس زاویہ نگاہ کی تبدیلی سے انسان کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔
مولانا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ابرو بادومہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بخت آری و بغفلت نخوری^(۱)

اللہ تعالیٰ نے یہ بادل، یہ ہوا، یہ چاند، یہ سورج اور یہ آسمان، ان سب کو تمہاری خدمت کے لیے لگایا ہوا ہے۔ تاکہ ایک روٹی تمہیں حاصل ہو جائے، مگر اس روٹی کو غفلت کے ساتھ مت کھانا، بس تمہارا کام صرف اتنا ہی ہے، بلکہ اللہ کا نام لے کر، اللہ کا ذکر کر کے کھاؤ اور اگر کھانے سے پہلے بھول جاؤ تو جب یاد آجائے، اس وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلُهٗ وَاٰخِرُهٗ“ پڑھ لو۔

نفل کام کی تلافی

ہمارے ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی بنیاد پر، جس میں دعا بھول جانے کا ذکر ہے، فرمایا کہ جب بھی آدمی کوئی نفلی عبادت اپنے وقت پر ادا کرنا بھول گیا یا کسی عذر کی وجہ سے وہ نفلی عبادت نہ کر سکا، تو یہ نہ سمجھے کہ بس اب اس نفلی عبادت کا وقت تو چلا گیا، اب چھٹی ہو گئی، بلکہ بعد میں حسب معمول موقع مل جائے، اس نفلی عبادت کو کر لے، چنانچہ ایک مرتبہ ہم لوگ

(۱) گلستان سعدی ص ۷ طبع مکتبہ رحمانیہ۔

حضرت والا رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اجتماع میں شرکت کے لیے جا رہے تھے، مغرب کے وقت وہاں پہنچنا تھا، مگر ہمیں نکلنے ہوئے دیر ہو گئی، جس کی وجہ سے مغرب کی نماز راستے میں ہی ایک مسجد میں پڑھی، چونکہ خیال یہ تھا کہ وہاں پر لوگ منتظر ہوں گے۔ اس لیے حضرت والا نے صرف تین فرض اور دو سنتیں پڑھیں۔ اور ہم نے بھی تین فرض اور دو سنتیں پڑھ لیں اور وہاں سے جلد روانہ ہو گئے، تاکہ جو لوگ انتظار کر رہے ہیں، اُن کو انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گئے، اجتماع ہوا، پھر عشاء کی نماز بھی وہیں پڑھی اور رات کے دس بجے تک اجتماع رہا، پھر جب حضرت والا رحمہ اللہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ہم لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ بھائی، آج مغرب کے بعد کی اذانیں کہاں گئیں؟ ہم نے کہا کہ حضرت! وہ تو آج رہ گئیں۔ چونکہ راستے میں جلدی تھی اس لیے پڑھ نہیں سکے، حضرت والا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رہ گئیں اور بغیر کسی معاوضے کے رہ گئیں! ہم نے کہا کہ حضرت چونکہ لوگ انتظار میں تھے، جلدی پہنچنا تھا، اس عذر کی وجہ سے اذانیں کی نماز رہ گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ! جب میں نے عشاء کی نماز پڑھی، تو عشاء کی نماز کے ساتھ جو نوافل پڑھا کرتا ہوں ان کے علاوہ مزید چھ رکعتیں پڑھ لیں، اب اگر چہ وہ نوافل اذانیں نہ ہوں۔ اس لیے کہ اذانیں کا وقت تو مغرب کے بعد ہے، لیکن یہ سوچا کہ وہ چھ رکعتیں چھوٹ گئی تھیں، کسی طرح ان کی تلافی کر لی جائے۔ الحمد للہ! میں نے تو اب چھ رکعتیں پڑھ کر اذانیں کی تلافی کر لی ہے۔ اب تم جانو، تمہارا کام۔

فرمایا کہ تم مولوی ہو، یہ کہو گے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی، اس لیے کہ مسئلہ یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کی قضا ہوتی ہے، سنت اور نفل کی قضا نہیں ہوتی،

آپ نے اذانین کی قضا کیسے قائم کر لی؟ تو بھائی تم نے وہ حدیث پڑھی ہے جس میں حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تم کھانے کے شروع میں ”بسم اللہ“ پڑھنا بھول جاؤ، تو جب درمیان میں یاد آجائے تو اس وقت پڑھ لو اور اگر آخر میں یاد آجائے، اس وقت پڑھ لو۔ بات دراصل یہ ہے کہ ایک نفل اور مستحب کام جو ایک نیکی کا کام تھا جس کے ذریعے نامہ اعمال میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ وہ اگر کسی وجہ سے چھوٹ گیا تو اس کو بالکل مت چھوڑو، دوسرے وقت کر لو۔ اب چاہے اس کو ”قضا“ کہو یا نہ کہو، لیکن اس نفل کام کی تلافی ہو جائے۔

یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہوتی ہیں، اس دن حضرت والا رحمہ اللہ نے ایک عظیم باب کھول دیا۔ ہم لوگ واقعی یہی سمجھتے تھے اور فقہ کے اندر لکھا ہے کہ نوافل کی قضا نہیں ہوتی، لیکن اب معلوم ہوا کہ ٹھیک ہے، قضا تو نہیں ہو سکتی، لیکن تلافی تو ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس نفل کے چھوٹنے کی وجہ سے نقصان ہو گیا، نیکیاں تو گئیں، لیکن بعد میں جب اللہ فراغت کی نعمت عطا فرمائے۔ اس وقت اس نفل کو ادا کر لو۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

دسترخوان اٹھاتے وقت کی دعا

”عن أبي امامة رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان إذا رفع مائدته قال: الْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنَى عَنْهُ رَبَّنَا.“^(۱)

(۱) صحیح البخاری ۷/۸۲ (۵۴۵۸) و سنن ابی داؤد ۳/۳۶۷ (۲۸۴۹)۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دسترخوان اٹھتا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔
 «الْحَمْدُ لِلَّهِ كَيْفَيزَا طَلِبْنَا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْنِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَعْفَى عَنْهُ رَبَّنَا»۔

یہ عجیب و غریب دعا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی، اس کی تلقین اس لیے فرمائی کہ انسان کا بھی عجیب مزاج ہے، وہ یہ کہ جب انسان کو کسی چیز کی شدید خواہش اور حاجت ہوتی ہے، اس وقت تو وہ اس کے لیے شدید بیتاب ہوتا ہے، لیکن جب اس چیز کی حاجت پوری ہو جائے اور اس سے دل بھر جائے تو پھر اسی چیز سے اس کو نفرت ہونے لگتی ہے۔ مثلاً جب انسان کو بھوک لگتی ہے تو اس وقت اس کو کھانے کی طرف رغبت اور شوق تھا اور کھانے کی طرف طبیعت مائل ہو رہی تھی، لیکن جب پیٹ بھر گیا تو طبیعت اسی سے نفرت کرتی ہے اور بعض اوقات کھانے کے تصور سے متلی آنے لگتی ہے۔

اس لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کے ذریعے یہ تعلیم دی کہ یہ تمہارے دل میں کھانے کی نفرت پیدا ہو رہی ہے، اس نفرت کے نتیجے میں کہیں اللہ کے رزق کی ناقدری اور ناشکری نہ ہو جائے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اس وقت یہ دسترخوان ہم اپنے سامنے سے تو اٹھا رہے ہیں، لیکن اس وجہ سے نہیں اٹھا رہے ہیں کہ ہمارے دل میں اس کی قدر نہیں، بلکہ اسی کھانے نے ہماری بھوک بھی مٹائی اور اسی کھانے کے ذریعے ہمیں لذت بھی حاصل ہوئی اور نہ اس وجہ سے اٹھا رہے ہیں کہ ہم اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، اے اللہ! ہم اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ دوبارہ ہمیں اس

کی ضرورت و حاجت پیش آئے گی۔ دسترخوان اٹھاتے وقت یہ دعا کر لو، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو اور دوسری طرف اس بات کی دعا بھی ہو جائے کہ یا اللہ! ہمیں دوبارہ یہ رزق عطا فرمائیے۔

کھانے کے بعد کی دعا پڑھ کر گناہ معاف کرائیں

عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ:
 ”من أكل طعامًا فقال: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنِي هَذَا
 وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةٍ“ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ
 مِنْ ذَنْبِهِ. (۱)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کھانا کھانے کے بعد اگر یہ الفاظ کہے: ”اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور میری طاقت اور قوت کے بغیر یہ کھانا مجھے عطا فرمایا۔“ اس کے یہ کہنے سے اللہ تعالیٰ اس کے تمام پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ یہ چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کا کتنا بڑا اکرم ہے۔

(۱) سنن ابی داؤد ۴۲/۴ (۴۰۲۳) و سنن الترمذی ۴۵۲/۵ (۲۴۵۸) وقال هذا حديث حسن

عمل چھوٹا ثواب عظیم



یہ بات میں پہلے بھی کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ جہاں کہیں احادیث میں آتا ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس سے مراد صغیرہ گناہ ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی صاحب حق کے معاف کیے بغیر معاف نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو نیک عمل کے ذریعے بھی معاف فرمادیتے ہیں، لہذا اگر کوئی شخص کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرمادیتے ہیں اور وہ آدمی صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، یہ اتنا چھوٹا سا عمل ہے، لیکن اس پر ثواب اتنا عظیم ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کو نسخہ کیا بتا گئے، اب چاہے اس دعا کو آدمی زور سے پڑھے یا ہلکی آواز سے پڑھے یا دل میں پڑھ لے تو بھی شکر کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور آدمی اس نعمت کا مستحق ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان آداب پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کھانے کے اندر عیب مت نکالو

عن أبي هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: "مَا عَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، إِنْ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ" (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

(۱) صحیح البخاری ۱۹۰/۴ (۳۵۹۳) و صحیح مسلم ۱۶۳۲/۳ (۲۰۶۴)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا اور کسی کھانے کی برائی نہیں کی، اگر اس کے کھانے کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے اور اگر کھانے کی خواہش نہ ہوتی تو اس کو چھوڑ دیتے۔

یعنی اگر کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو نہیں کھایا، مگر اس کی برائی بیان نہیں کرتے تھے، اس لیے کہ جو کھانا ہے وہ چاہے ہمیں پسند آ رہا ہو یا پسند نہ آ رہا ہو، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ رزق ہے اور اللہ کے عطا کیے ہوئے رزق کا احترام اور اس کی تعظیم ہمارے ذمے واجب ہے۔

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یوں تو اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کے بغیر پیدا کی ہو، اس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت کے تحت پیدا فرمائی ہے، ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عمل اور فائدہ ضرور ہے اقبال مرحوم نے خوب کہا کہ ۔

نہیں ہے چیز کوئی کئی زمانے میں

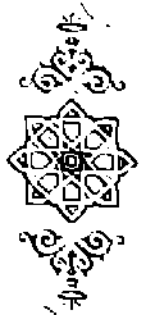
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں کوئی چیز بُری پیدا نہیں فرمائی، نگوینی اعتبار سے سب اچھی ہیں، ہر ایک کے اندر کوئی نہ کوئی نگوینی مصلحت ضرور ہے، البتہ جب ہمیں کسی چیز کی حکمت اور مصلحت کا پتہ نہیں لگتا تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ چیز بُری ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی چیز بُری نہیں۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات جو بظاہر موذی

اور تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً سانپ اور بچھو ہیں۔ ان کو ہم اس لیے برا سمجھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں، لیکن کائنات کے مجموعی انتظام کے لحاظ سے ان میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے۔ ان میں فائدہ موجود ہے۔ چاہے ہمیں پتہ چلے یا نہ چلے۔

ایک بادشاہ ایک مکھی

ایک بادشاہ کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک دن اپنے دربار میں بڑی شان و شوکت سے بیٹھا ہوا تھا، ایک مکھی آکر اس کی ناک پر بیٹھ گئی، اس بادشاہ نے اس کو اڑادیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی، اس نے دوبارہ اڑادیا، وہ پھر آکر بیٹھ گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مکھیاں بہت لپچڑ قسم کی ہوتی ہیں، ان کو کتنا ہی اڑلو وہ دوبارہ اسی جگہ آکر بیٹھ جاتی ہیں، وہ بھی اسی قسم کی تھی، بادشاہ نے اس وقت کہا کہ خدا جانے یہ مکھی اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کی؟ یہ تو تکلیف ہی تکلیف پہنچا رہی ہے، اس کا کوئی فائدہ تو نظر نہیں آتا۔ اس وقت دربار میں ایک بزرگ موجود تھے، ان بزرگ نے اس بادشاہ سے کہا کہ اس مکھی کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ تم جیسے جابر اور متکبر انسانوں کے دماغ درست کرنے کے لیے پیدا کی ہے، تم اپنی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تم اتنے عاجز ہو کہ اگر ایک مکھی تمہیں ستانا چاہے تو تمہارے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کی تکلیف سے بچالو۔ اس کی پیدائش کی یہی حکمت اور مصلحت کیا کم ہے۔ بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت پیدا کی ہے۔



ایک بچھو کا عجیب واقعہ

امام رازی رحمہ اللہ مشہور بزرگ اور علم کلام کے ماہر گزرے ہیں۔ جنہوں نے ”تفسیر کبیر“ کے نام سے قرآن کی مشہور تفسیر لکھی ہے۔ اس تفسیر میں صرف سورہ فاتحہ کی تفسیر دو سو (۲۰۰) صفحات پر مشتمل ہے اور اس تفسیر میں سورہ فاتحہ کی آیت ”الرحمن الرحیم“ کی تفسیر کے تحت ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے دل میں خیال آیا اور اچانک میں دریائے نیل کے کنارے پہنچ گیا۔ جب میں دریائے نیل کے کنارے چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ میرے آگے ایک موٹا تازہ بچھو چلا جا رہا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ آج میں اس بچھو کا تعاقب کرتا ہوں کہ یہ کہاں جاتا ہے؟ چنانچہ وہ بچھو آگے چلتا رہا اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، چلتے چلتے تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک مینڈک کھڑا ہے اور یہ بچھو چھلانگ لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دریا عبور کرنے کے لیے کشتی بھیج دی، چنانچہ وہ مینڈک اس کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے روانہ ہو گیا، چونکہ میں نے یہ طے کر لیا تھا کہ آج میں یہ دیکھوں گا بچھو کہاں جا رہا ہے، اس لیے میں نے بھی کشتی لی اور اس کے پیچھے روانہ ہو گیا حتیٰ کہ اس مینڈک نے دریا پار کیا اور جا کر اسی طرح دوسرے کنارے پر جا کر لگ گیا اور وہ بچھو چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اب بچھو آگے چلا اور میں نے اس کا پھر تعاقب کرنا شروع کر دیا۔

آگے میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سو رہا ہے، جب میں اس آدمی کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک زہریلا سانپ اپنا پھن

اٹھائے اس آدمی کے سر کے پاس کھڑا ہے اور قریب ہے کہ وہ سانپ اس کو ڈس لے، اتنے میں یہ بچھو تیزی کے ساتھ سانپ کے اوپر سوار ہو گیا اور اس پر ڈنک مارا اور سانپ نے اس بچھو کو ڈس لیا اور دونوں مر گئے اور وہ آدمی صحیح سالم رہا (۱)۔

بہر حال! دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے پیدا کرنے میں کوئی نہ تکوینی حکمت اور مصلحت نہ ہو۔

نجاست میں پیدا ہونے والے کیڑے

ایک اور قصہ دیکھا معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو بڑی عبرت کا واقعہ ہے، وہ یہ کہ ایک صاحب ایک دن قضاء حاجت کر رہے تھے، قضاء حاجت میں ان کو سفید سفید کیڑے نظر آئے، جو بعض اوقات پیٹ کے اندر پیدا ہو جاتے ہیں ان صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کہ اور جتنی مخلوق ہے ان سب کی پیدائش کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت سمجھ میں آتی ہے، لیکن یہ جاندار مخلوق، جو نجاست میں پیدا ہو جاتی ہے، نجاست کے ساتھ نکلتی ہے اور نجاست کے ساتھ ہی بہا دی جاتی ہے، اس کا کوئی عمل اور فائدہ ہی نظر نہیں آتا، پتہ نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مخلوق کس مصلحت سے پیدا کی ہے؟

کچھ عرصے بعد ان صاحب کی آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی، اب تکلیف کے خاتمے کے لیے سارے علاج کر لیے، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا، آخر میں ایک پرانا کوئی طبیب تھا اس کے پاس جا کر بتایا کہ یہ تکلیف ہے، اس کا کیا علاج ہے؟ اس طبیب نے بتایا کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے، البتہ ایک علاج ہے جو کبھی کبھی

(۱) تفسیر کبیر ۲۰۱/۱، طبع دار احیاء التراث العربی.

کار آمد ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ انسان کے جسم میں جو کیڑے پیدا ہوتے ہیں ان کیڑوں کو پس کر اگر لگایا جائے تو اس کے ذریعے سے بعض اوقات یہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔ اس وقت میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ! اب میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ آپ نے ان کیڑوں کو کس مصلحت سے پیدا کیا ہے۔

غرض اس کائنات کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جس کی کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کے فوائد اور حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جو کھانا آپ کو پسند نہیں ہے یا اس کے کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی، لیکن اس کی پیدائش میں کوئی نہ کوئی حکمت اور مصلحت ضرور ہے اور کم از کم یہ بات موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے اور اس کا احترام کرنا ضروری ہے۔ اس لیے اگر کوئی کھانا پسند نہیں ہے تو اس کو مت کھاؤ، لیکن اس کو برا بھی مت کہو۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کھانا پسند نہیں آیا تو اس میں عیب نکالنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں یہ خرابی ہے، یہ تو بد ذائقہ ہے، ایسی باتیں کہنا درست نہیں۔

رزق کی ناقدری مت کرو

یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی بڑی اعلیٰ درجے کی تعلیم ہے کہ اللہ کے رزق کا احترام کرو، اس کا ادب کرو، اس کی بے ادبی نہ کرو۔ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ اسلامی ادب بری طرح پامال ہو رہا ہے۔ ہر چیز میں ہم نے غیروں کی نقالی شروع کی تو اس میں بھی ایسا ہی کیا اور اللہ کے رزق کا کوئی ادب باقی نہیں رہا، کھانا بچا تو اٹھا کر کوڑے میں ڈال دیا، بعض اوقات دیکھ کر دل لرز جاتا ہے۔ یہ سب مسلمانوں کے گھروں میں ہو رہا ہے، خاص طور پر دعوتوں میں

اور ہوٹلوں میں غذاؤں کے بڑے بڑے ڈھیر اس طرح کوڑے میں ڈال دیے جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا ہو تو اس کی بھی تعظیم کرو، اس کا بھی ادب کر دو اور اس کو اٹھا کر کسی اونچی جگہ رکھ دو۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور رزق کی قدر

میں نے اپنے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیمار ہوئے اس دوران ایک صاحب نے آپ کو پینے کے لیے دودھ لا کر دیا، آپ نے وہ دودھ پیا اور تھوڑا سا بچ گیا، وہ بچا ہوا دودھ آپ نے سرھانے کی طرف رکھ دیا، اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ایک صاحب جو پاس کھڑے تھے ان سے پوچھا کہ بھائی وہ تھوڑا سا دودھ بچ گیا تھا، وہ کہاں گیا؟ تو ان صاحب نے کہا کہ حضرت وہ تو پھینک دیا۔ ایک گھونٹ ہی تھا، حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے اللہ کی اس نعمت کو پھینک دیا، تم نے بہت غلط کام کیا، اگر میں اس دودھ کو نہیں پی سکا تو تم خود پی لیتے، کسی اور کو پلا دیتے یا بلی کو پلا دیتے یا طوطے کو پلا دیتے۔ اللہ کی کسی مخلوق کے کام آجاتا، تم نے اس کو کیوں پھینکا؟ اور پھر ایک اصول بیان فرما دیا کہ

”جن چیزوں کی زیادہ مقدار سے انسان اپنی عام زندگی میں فائدہ اٹھاتا ہے، ان کی تھوڑی مقدار کی قدر اور تعظیم اس کے ذمے واجب ہے۔“

مثلاً کھانے کی بڑی مقدار کو انسان کھاتا ہے، اس سے اپنی بھوک مٹاتا ہے، اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، لیکن اگر اسی کھانے کا تھوڑا سا حصہ بچ جائے تو اس کا احترام اور توقیر بھی اس کے ذمے واجب ہے، اس کو ضائع کرنا جائز نہیں، یہ اصل بھی درحقیقت اسی حدیث سے ماخوذ ہے کہ اللہ کے رزق کی ناقدری مت کرو، اس کو کسی نہ کسی مصرف میں لے آؤ۔

دسترخوان جھاڑنے کا صحیح طریقہ

میرے والد ماجد رحمہ اللہ کے دارالعلوم دیوبند میں ایک استاد تھے۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ، جو ”حضرت میاں صاحب“ کے نام سے مشہور تھے، بڑے عجیب و غریب بزرگ تھے۔ ان کی باتیں سن کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کھانے کا وقت ہے آؤ کھانا کھالو۔ میں ان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ گیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے دسترخوان لپیٹنا شروع کیا، تاکہ میں جا کر دسترخوان جھاڑ دوں تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا کہ حضرت دسترخوان جھاڑنے جا رہا ہوں۔ حضرت میاں صاحب نے پوچھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت! دسترخوان جھاڑنا کون سا فن یا علم ہے، جس کے لیے باقاعدہ تعلیم کی ضرورت ہو؟ باہر جا کر جھاڑ دوں گا۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ اس لیے تو میں نے تم سے پوچھا تھا کہ دسترخوان جھاڑنا آتا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ تمہیں دسترخوان جھاڑنا نہیں آتا۔ میں نے کہا پھر آپ سکھا دیں۔ فرمایا کہ ہاں دسترخوان جھاڑنا بھی ایک فن ہے۔

پھر آپ نے اس دسترخوان کو دوبارہ کھولا اور اس دسترخوان پر جو بوٹیاں یا بوٹیوں کے ذرات تھے، ان کو ایک طرف کیا اور ہڈیوں کو جن پر کچھ گوشت وغیرہ لگا ہوا تھا، ان کو ایک طرف کیا اور روٹی کے ٹکڑوں کو ایک طرف کیا اور روٹی کے جو چھوٹے چھوٹے ذرات تھے، ان کو ایک طرف جمع کیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ چار چیزیں ہیں اور میرے یہاں ان چار چیزوں کی علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر ہے، یہ بوٹیاں ہیں، ان کی فلاں جگہ ہے، بلی کو معلوم ہے کہ کھانے کے بعد اس جگہ بوٹیاں رکھی جاتی ہیں، وہ آکر ان کو کھالیتی ہے اور ان ہڈیوں کے لیے فلاں جگہ مقرر ہے، محلے کے کتوں کو وہ جگہ معلوم ہے، وہ آکر ان کو کھالیتے ہیں اور یہ جو روٹیوں کے ٹکڑے ہیں ان کو میں اس دیوار پر رکھتا ہوں، یہاں پرندے، چیل، کوئے آتے ہیں اور وہ ان کو اٹھا کر کھالیتے ہیں اور یہ جو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں، تو میرے گھر میں چیونٹیوں کا بل ہے، ان کو اس بل کے پاس رکھ دیتا ہوں، وہ چیونٹیاں اس کو کھالیتی ہیں، پھر فرمایا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کا کوئی حصہ ضائع نہیں جانا چاہیے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس دن ہمیں معلوم ہوا کہ دسترخوان جھاڑنا ایک فن ہے اور اس کو بھی سیکھنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارا حال

آج ہمارا یہ حال ہے کہ دسترخوان جو جا کر کوڑے دان کے اندر جھاڑ دیا، اللہ کے رزق کے احترام کا کوئی اہتمام نہیں۔ ارے یہ ساری اللہ کی مخلوقات ہیں، جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ رزق پیدا کیا، اگر تم نہیں کھا سکتے تو کسی اور مخلوق کے لیے اس کو رکھ دو۔ پہلے زمانے میں بچوں کو یہ سکھایا جاتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا



رزق ہے اس کا احترام کرو، اگر کہیں روٹی کا ٹکڑا نظر آتا تو اس کو چوم کر ادب کے ساتھ اونچی جگہ پر رکھ دیتے، لیکن جوں جوں مغربی تہذیب کا غلبہ ہمارے معاشرے پر بڑھ رہا ہے، رفتہ رفتہ اسلامی آداب رخصت ہو رہے ہیں۔ نبی کریم سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کھانا پسند آئے تو کھا لو اور اگر پسند نہ آئے تو کم از کم اس میں عیب مت نکالو، اس کی ناقدری اور بے حرمتی مت کرو، اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ سب باتیں کوئی قصہ کہانی یا کوئی افسانہ نہیں ہے، بلکہ یہ سب باتیں عمل کرنے کے لیے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رزق کا ادب اور اس کی تعظیم کریں اور ان آداب کو اپنائیں جو نبی کریم ﷺ نے ہمیں سکھائے اور جو ہمارے دین کا حصہ ہیں، جو ہمارے دین کا طرہ امتیاز ہیں اور یہ مغرب نے جو بلائیں ہم پر نازل کی ہیں ان سے چھٹکارہ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے۔ آمین۔

سرکہ بھی ایک سالن ہے



عن جابر رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ سأل أهله الأذم، فقالوا: ما عندنا إلا خل فدعا به فجعل يأكل به ويقول: "نعم الأذم الخل، نعم الأذم الخل۔" (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ کچھ سالن ہو تو لے آؤ۔ (روٹی موجود تھی) گھر والوں نے کہا ہمارے

(۱) صحیح مسلم ۱۶۲۲/۳ (۲۰۵۲) و مسند احمد ۱۹۰/۲۳ (۱۴۹۲۵)۔

پاس تو سر کے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، سر کہ رکھا ہوا ہے۔
 آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہی لے آؤ، حضرت جابر رضی اللہ
 فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سر کے کو روٹی
 کے ساتھ تناول فرمانا شروع کیا اور ساتھ میں بار بار یہ
 فرماتے جاتے کہ سر کہ اچھا سالن ہے، سر کہ اچھا سالن ہے۔

آپ ﷺ کے گھر کی حالت

حضور اقدس ﷺ کے گھر کا یہ حال تھا کہ کوئی سالن موجود نہیں، حالانکہ
 روایات میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سال کے شروع میں تمام ازواج
 مطہرات کے پاس پورے سال کا نان نفقہ اور خرچہ بھیج دیا کرتے تھے، لیکن وہ
 ازواج بھی حضور اقدس ﷺ کی ازواج تھیں۔ ان کے یہاں صدقات،
 خیرات اور دوسرے مصارف کی اتنی کثرت تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں
 کہ بسا اوقات تین تین مہینے تک ہمارے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ دو چیزوں
 پر ہمارا گزارا ہوتا تھا کہ کھجور کھالی اور پانی پی لیا۔ (۱)

نعمت کی قدر فرماتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو نعمت میسر آ جاتی اس
 کی قدر فرماتے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، حالانکہ عام معاشرے میں
 سر کے کو بطور سالن کے استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے

(۱) صحیح البخاری ۲/۱۰۲ (۲۵۶۷) و صحیح مسلم ۴/۲۲۸۲ (۲۹۷۲)۔

لوگ سر کے کوسالنے کے ساتھ ملا کر کھاتے ہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے اسی سر کے سے روٹی تناول فرمائی اور ساتھ ساتھ اس کی اتنی تعریف فرمائی کہ بار بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اچھا سالن ہے یہ بڑا اچھا سالن ہے۔

کھانے کی تعریف کرنی چاہیے

اسی حدیث کے تحت حضراتِ محدثین نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے سر کے استعمال کرے کہ حضور اقدس ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور اس کی تعریف فرمائی تو ان شاء اللہ اس نیت کی وجہ سے اس کو سر کے کھانے پر بھی ثواب ملے گا۔ اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جو کھانا آدمی کو پسند آئے، اس کو چاہیے کہ وہ اس کھانے کی کچھ تعریف کرے، تعریف کرنے کا ایک مقصد تو اس کھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کھانا عنایت فرمایا۔ دوسرے یہ کہ جس نے وہ کھانا تیار کیا ہے، اس تعریف کے ذریعے اس کا دل خوش ہو جائے۔ یہ بھی کھانے کے آداب میں سے ہے، یہ نہ ہو کہ کھانے کے ذریعے پیٹ کی بھوک مٹائی اور زبان کا چٹخارہ بھی پورا کیا اور کھانا کھا کے اٹھ گئے، لیکن زبان پر ایک کلمہ بھی شکر اور تعریف کا نہ آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو دیکھیے کہ آپ ﷺ نے سر کے کی اتنی تعریف فرمائی، لہذا جب کھانے پکانے والے نے محنت کی اور اپنے آپ کو آگ اور چولھے کے سامنے پیش کر کے تمہارے لیے کھانا تیار کیا، اس کا اتنا تو حق ادا کرو کہ دو کلمے بول کر اس کی تعریف کر دو اور اس کی ہمت افزائی کر دو، جو شخص تعریف کے دو کلمے بھی ادا نہ کرے وہ بڑا بخیل ہے۔

پکانے والے کی تعریف کرنی چاہیے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنا یہ واقعہ سنایا کہ ایک صاحب میرے پاس آیا کرتے تھے، وہ اور ان کی بیوی دونوں نے اصلاحی تعلق بھی قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنے گھر پر میری دعوت کی، میں چلا گیا اور جا کر کھانا کھالیا۔ کھانا بڑا لذیذ اور بہت اچھا بنا ہوا تھا۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی ہمیشہ کی یہ عادت تھی کہ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اس کھانے کی اور کھانا بنانے والی خاتون کی تعریف ضرور کرتے، تاکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور اس خاتون کا دل بڑھ جائے۔ چنانچہ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ خاتون پردے کے پیچھے آئیں اور آکر حضرت والا کو سلام کیا، تو حضرت والا نے فرمایا کہ تم نے بڑا لذیذ اور بہت اچھا کھانا پکایا۔ کھانے میں بڑا مزہ آیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ کہا تو پردے کے پیچھے سے اس خاتون کے رونے اور سسکیاں لینے کی آواز آئی۔ میں حیران ہو گیا کہ معلوم نہیں میری کس بات سے ان کو تکلیف ہوئی اور ان کا دل ٹوٹا۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ان خاتون نے بمشکل اپنے رونے پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ حضرت مجھے ان (شوہر) کے ساتھ رہتے ہوئے چالیس سال ہو گئے ہیں، لیکن اس پورے عرصے میں ان کی زبان سے میں نے یہ جملہ نہیں سنا کہ ”آج کھانا بڑا اچھا پکا ہے۔“ آج جب آپ کی زبان سے یہ جملہ سنا تو مجھے رونا آ گیا۔ چونکہ وہ صاحب حضرت والا کے تربیت یافتہ تھے اس لیے حضرت والا نے ان سے فرمایا کہ خدا کے بندے! ایسا بھی کیا بخل کرنا کہ آدمی کسی کی تعریف میں دو لفظ نہ کہے، جس سے اس کے دل کو خوشی ہو جائے۔ لہذا کھانے کے بعد اس





کھانے کی تعریف اور اس کے پکانے والی کی تعریف کرنی چاہیے، تاکہ اس کھانے پر اللہ کا شکر بھی ادا ہو جائے اور کھانا بنانے والے کا دل بھی خوش ہو جائے۔

ہدیے کی تعریف

عام طور پر تو لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب ان کو ہدیہ پیش کیا جائے تو وہ تکلفاً کہتے ہیں کہ بھائی، اس ہدیے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ نے بے کار میں تکلف کیا، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جب حضرت کے بے تکلف احباب میں سے کوئی محبت کے ساتھ ان کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا، تو حضرت والا تکلف نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس ہدیہ کی طرف بہت اشتیاق کا اظہار فرماتے اور یہ کہتے بھائی، تم تو ایسی چیز لے کر آئے جس کی ہمیں ضرورت تھی۔

ایک مرتبہ میں حضرت والا کی خدمت میں ایک کپڑا لے گیا اور مجھے اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ حضرت والا اس پر اتنی خوشی کا اظہار فرمائیں گے۔ چنانچہ جب میں نے وہ پیش کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیں ایسے کپڑے کی ضرورت تھی۔ ہم تو اس کی تلاش میں تھے اور فرمایا کہ جس رنگ کا کپڑا لائے ہو، یہ رنگ تو ہمیں پسند ہے اور یہ کپڑا بھی بہت اچھا ہے۔ بار بار اس کی تعریف کرتے اور فرماتے تھے کہ جب ایک شخص محبت سے ہدیہ لے کر آیا ہے تو کم از کم اتنی تعریف تو اس کی کرو کہ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے اور اس کا دل خوش ہو جائے کہ جو چیز میں نے ہدیہ میں پیش کی، وہ پسند آگئی اور یہ جو حدیث شریف میں ہے کہ

”تھاڈواتحائبوا“ (۱)

یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو، اور اس کے ذریعے محبت میں اضافہ کرو۔

تو محبت میں اضافہ کا ذریعہ اس وقت ہوگا جب تم ہدیہ وصول کر کے اس پر پسندیدگی اور محبت کا اظہار کرو۔

بندوں کا شکر یہ ادا کرو

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من لم يشكر الناس لم يشكر الله“ (۲)

جو شخص انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمہارے ساتھ محبت اور اخلاص کا معاملہ کرے اور اس کے ذریعے سے تمہیں کوئی فائدہ پہنچے تو کم از کم زبان سے اس کا شکریہ ادا کرو اور اس کی تعریف میں دو کلمے تو کہہ دو، یہ سنت ہے۔ اس لیے کہ یہ سب حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات ہیں۔ اگر ہم ان طریقوں کو اپنالیں تو دیکھو کتنی محبتیں پیدا ہوتی ہیں اور تعلقات میں کتنی خوشگواریاں پیدا ہوتی ہیں، پھر

(۱) موطا امام مالک ۲/۹۰۸ (۱۶) طبع دار احیاء التراث العربی۔ والادب المفرد للبخاری

۳۰۶ (۵۹۶) طبع مکتبۃ المعارف الرياض۔ والحديث ذكره العراقي في ”تخریج

احادیث الاحیاء“ ۱/۲۸۶ (۱۵۵۳) وقال بسند جيد۔ (طبع مکتبۃ طبریة)۔

(۲) سنن الترمذی ۳/۵۰۵ (۱۹۵۵) وقال هذا حديث حسن۔ ومسند احمد ۱۷/۳۸۰ (۱۱۲۸۰)۔



یہ عداوتیں اور نفرتیں، یہ بغض اور یہ سب دشمنیاں ختم ہو جائیں گی، بشرطیکہ انسان حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات پر ٹھیک ٹھیک عمل کر لے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضور اقدس ﷺ کا سوتیلے بیٹے کو ادب سکھانا

عن عمر بن أبی سلمة رضی اللہ عنہ قال كنت غلاما في حجر رسول الله ﷺ، وكانت يدي تطيش في الصحيفة قال له رسول الله ﷺ: يا غلام! سم الله وكل بيمينك وكل مما يليك. (۱)

یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کے سوتیلے بیٹے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا اور یہ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے، نکاح کے بعد یہ بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آگئے تھے، اس طرح یہ حضور اقدس ﷺ کے سوتیلے بیٹے بن گئے اور حضور اقدس ﷺ کے زیر تربیت رہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا اور حضور اقدس ﷺ کے زیر تربیت تھا، ایک مرتبہ جب میں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھا، تو کھانے کے دوران میرا ہاتھ کھانے کے برتن کے چاروں طرف حرکت کرتا تھا۔

(۱) صحیح البخاری ۷/۶۷ (۵۲۷۶) و صحیح مسلم ۲/۱۰۹۹ (۲۰۲۲)۔

ایک نوالہ اس طرف سے لیا، دوسرا نوالہ اس طرف سے کھالیا۔ تیسرا نوالہ کسی اور طرف سے کھالیا، پھر جب حضور اقدس ﷺ نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لڑکے! کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو، یعنی ”بسم اللہ پڑھو“۔ اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ، یعنی برتن کا جو حصہ تمہارے سامنے ہے، اس سے کھاؤ۔

اپنے سامنے سے کھانا ادب ہے

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے تین آداب بیان فرمائے۔

① یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاؤ۔ اس کے بارے میں پیچھے تفصیل سے بیان ہو گیا

② یہ ہے کہ داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ اس کا بیان بھی پیچھے آچکا ہے۔

③ یہ بیان فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ ادھر ادھر ہاتھ نہ لے جاؤ۔

اس ادب پر آنحضرت ﷺ نے بڑی تاکید فرمائی ہے۔

اس کی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر انسان کھانا اپنے سامنے سے کھائے گا تو اس صورت میں اگر کھانے کا کچھ حصہ بیچ جائے گا، تو وہ بدنما اور برا معلوم نہیں ہوگا، ورنہ اگر چاروں طرف سے کھائے گا، تو اس صورت میں جو کھانا بیچ جائے گا، وہ بدنما ہو جائے گا اور دوسرا آدمی اس کو کھانا چاہے گا تو اس کو کراہیت ہوگی، جس کے نتیجے میں اس کھانے کو ضائع کرنا پڑے گا۔ اس لیے فرمایا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ۔

کھانے کے وسط میں برکت نازل ہوتی ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کھانا سامنے رکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کھانے کے وسط اور درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔ اب اگر اس کھانے کے درمیان ہی سے کھالیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کھانے کی برکت ختم ہوگئی، اس لیے اگر ایک طرف سے کھانا کھایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ کی برکت زیادہ دیر تک برقرار رہے گی، اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ برکت کیا چیز ہے اور درمیان میں کس طرح نازل ہوتی ہے؟ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جن کو ہم اپنی محدود عقل سے نہیں سمجھ سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں، وہ جانیں اور ان کے رسول ﷺ جانیں، ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ہمیں تو یہ ادب سکھا دیا کہ اپنے سامنے سے کھاؤ، ادھر ادھر سے مت کھاؤ۔ (۱)

اگر مختلف اشیاء ہوں تو آگے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں

لیکن یہ اب اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو۔ اگر برتن کے اندر مختلف انواع کی چیزیں رکھی ہیں، تو اس صورت میں اپنی پسند اور اپنی مطلب کی چیز لینے کے لیے ہاتھ ادھر ادھر، دائیں بائیں جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضور اقدس ﷺ مجھے

(۱) سنن ابی داؤد ۳/۲۴۸ (۳۷۷۲) و سنن الترمذی ۳/۲۹۷ (۱۸۰۵) وقال هذا حدیث حسن

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے گئے، تو ہمارے سامنے دسترخوان پر ”ثرید“ لایا گیا۔ ”ثرید“ اسے کہتے ہیں کہ روٹی کے کلڑے توڑ توڑ کر شوربے میں بھگو دیے جاتے ہیں، پھر اس کو کھایا جاتا ہے۔ یہ کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ ”ثرید“ بڑا اچھا کھانا ہے۔^(۱) بہر حال! حضرت عکراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ثرید کھانا شروع کیا تو میں کھانے کے دوران ایک نوالہ یہاں سے لیتا، دوسرا آگے سے لیتا۔ کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے نوالہ لیتا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ حرکت دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یا عکراش کل من موضع واحد فانه طعام“

ترجمہ: اے عکراش! اپنے سامنے سے کھانا کھاؤ اس لیے کہ ایک ہی قسم کا کھانا ہے۔

چنانچہ میں نے ایک ہی جگہ سے کھانا شروع کر دیا، جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو ہمارے سامنے ایک بڑا تھاں لایا گیا، جس میں مختلف قسم کی کھجوریں تھیں۔ کوئی کس رنگ کی، کوئی کس رنگ کی، کوئی عمدہ، کوئی درمیانی، کوئی تر، کوئی خشک۔ مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاج بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تلقین فرمائی تھی کہ اپنے سامنے سے کھانا چاہیے، اس لیے میں صرف اپنے سامنے کی کھجوریں کھاتا رہا اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی یہاں جا رہا ہے کبھی وہاں جا رہا ہے، جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ایک ہی جگہ سے

(۱) ملاحظہ فرمائیں صحیح البخاری ۷/۷۵ (۵۶۱۸) و صحیح مسلم ۶/۱۸۸۷ (۳۶۳۱)۔

کھار ہا ہوں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”یا عکراش! کل من حیث شئت فانه غیر لون
واحد“

اے عکراش! اب جہاں سے چاہو، کھاؤ، اس لیے کہ یہ کھجوریں مختلف قسم کی ہیں اب مختلف جگہوں سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال، اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ادب سکھا دیا کہ جب ایک قسم کا کھانا ہو تو اپنے سامنے سے کھانا چاہیے اور جب مختلف قسم کے کھانے دسترخوان پر چنے ہوئے ہوں تو ادھر ادھر ہاتھ بڑھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔^(۱)

بائیں ہاتھ سے کھانا جائز نہیں

وعن سلمة بن الاكوع رضی اللہ عنہ أن رجلاً أكل عند رسول الله ﷺ بشماله، فقال: ”كل بيمينك“، قال: ”لا استطيع“، قال: ”لا استطعت“، مامنه إلا الكبر فمارفعا إلى فيه۔“^(۲)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کے پاس بیٹھ کر بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھانا کھاؤ! اس شخص نے جواب میں کہا کہ میں دائیں ہاتھ

(۱) سنن الترمذی ۴۲۷/۳ (۱۸۴۸) وقال هذا حديث غريب۔ وسنن ابن ماجه ۱۹/۵ (۲۳۷۴)۔

(۲) صحيح مسلم ۱۵۹۹/۳ (۲۰۲۱)۔ ومسند احمد ۲۰/۲۷ (۱۶۴۹۳)۔

سے کھانا نہیں کھا سکتا (بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص منافق تھا اور اس کے دائیں ہاتھ میں کوئی خرابی اور عذر بھی نہیں تھا، ویسے ہی اس نے جھوٹ بول دیا کہ میں نہیں کھا سکتا) اس لیے کہ بعض لوگوں کی طبیعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ غلطی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ شخص بھی بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا، شاید اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوکنا پسند نہیں آیا۔ اس لیے اس نے صاف کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بول دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنا یا غلط بات کہنا اور بلا وجہ اپنی غلطی چھپانا اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دیتے ہوئے فرمایا:

”لا استطعت“

یعنی تمہیں دائیں ہاتھ سے کھانے کی کبھی طاقت نہ ہو،

چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ اس کے بعد اُس شخص کی یہ حالت ہو گئی کہ اگر کبھی اپنے دائیں ہاتھ کو منہ تک لے جانا بھی چاہتا تب بھی نہیں اٹھا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آمین۔

غلطی کا اعتراف کر کے معافی مانگ لینی چاہیے

اصول یہ ہے کہ اگر بشری تقاضے کی وجہ سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، پھر وہ انسان ندامت اور شرمندگی کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتے ہیں، لیکن غلطی ہو اور پھر اس غلطی پر اصرار ہو اور سینہ زوری ہو اور اس کو صحیح ثابت کرنے



کی کوششیں بھی کرے اور پھر نبی ﷺ کے سامنے جھوٹ بولے، یہ بڑا سنگین گناہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا کسی کے حق میں بددعا کرنا شاذ و نادر ہی ثابت ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے حق میں بددعا نہیں فرمائی، جو لوگ آپ ﷺ کے مقابلے میں لڑ رہے ہیں۔ آپ ﷺ پر تلوار اٹھا رہے ہیں اور آپ ﷺ پر تیروں کی بارش کر رہے ہیں، ان کے لیے آپ ﷺ نے بددعا نہیں فرمائی، بلکہ یہ دعا دی کہ

اللَّهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ^(۱)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے دیجیے، یہ مجھے جانتے نہیں۔

لیکن یہ موقع ایسا تھا کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص تکبر کی وجہ سے بطور عناد کے منافقت کی بنیاد پر دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کر رہا ہے، حقیقت میں اس کا کوئی عذر نہیں ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس کے حق میں بددعا کا کلمہ ارشاد فرمایا اور وہ بددعا فوراً قبول ہو گئی۔

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۴۵/۳ (۱۳۷۵) طبع مکتبۃ الرشد۔ الرياض۔ وللمعجم الکبیر للطبرانی ۱۶۲/۶ (۵۸۶۲) بلفظ: "اللهم اغفر لقومي..."، وقال البيهقي في "مجمع الزوائد" ۱۱۷/۶ (۱۰۰۹۲): رواه الطبراني في "الكبير"، ورجاله رجاله الصحيح. (مکتبۃ القدسی القاہرۃ)

اپنی غلطی پر اڑنا درست نہیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آدمی غلط کاری اور گناہوں میں مبتلا ہو، پھر بھی بزرگوں اور اللہ والوں کے پاس اسی حال میں چلا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن وہاں جا کر اگر جھوٹ بولے گا یا اپنی غلطی پر اڑا رہے گا تو یہ بڑی خطرناک بات ہے، انبیاء علیہم السلام کی شان تو بہت بڑی ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارثین پر بھی اللہ تعالیٰ بعض اوقات یہ فضل فرمادیتے ہیں کہ ان کو تمہاری حقیقت حال سے باخبر فرمادیتے ہیں، چنانچہ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہی نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت والا کی مجلس ہو رہی تھی، حضرت والا وعظ فرما رہے تھے، ایک صاحب اسی مجلس میں دیوار یا تکیے کا ٹیک لگا کر متکبرانہ انداز میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے اور جو شخص بھی مجلس میں آتا تھا وہ اپنی اصلاح ہی کی غرض سے آتا تھا، اس لیے کوئی غلط کام کرتا تو حضرت والا کا فرض تھا کہ اس کو ٹوکیں، چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس شخص کو ٹوک دیا اور فرمایا کہ اس طرح بیٹھنا مجلس کے ادب کے خلاف ہے؛ آپ ٹھیک سے ادب کے ساتھ بیٹھ جائیں، ان صاحب نے بجائے سیدھے بیٹھنے کے عذر بیان کرتے ہوئے کہا: حضرت! میری کمر میں تکلیف ہے، اس وجہ سے میں اس طرح بیٹھا ہوں، بظاہر وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ آپ کا یہ ٹوکنا غلط ہے، اس لیے کہ آپ کو کیا معلوم کہ میں کس حالت میں ہوں، کس تکلیف میں مبتلا ہوں، آپ کو مجھے ٹوکنا نہیں چاہیے تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو دیکھا



کہ آپ نے ایک لمحے کے لیے گردن جھکائی اور آنکھ بند کی اور پھر گردن اٹھا کر اس سے فرمایا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں، آپ کی کمر میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ آپ مجلس سے اٹھ جائیے، یہ کہہ کر ڈانٹ کر اٹھا دیا۔ اب بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا رضی اللہ عنہ کو کیا پتہ کہ اس کی کمر میں تکلیف ہے یا نہیں؟ لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کو کسی واقعے کی خبر عطا فرمادیتے ہیں۔ لہذا بزرگوں سے جھوٹ بولنا یا ان کو دھوکہ دینا بڑی خطرناک بات ہے، اگر غلطی ہو جائے اور کوتاہی ہو جائے، اس کے بعد آدمی اس پر نادم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس پر توبہ کی توفیق دے دے تو ان شاء اللہ وہ گناہ اور غلطی معاف ہو جائے گی۔

بہر حال! حضرت والا نے اس شخص کو مجلس سے اٹھا دیا، بعد میں لوگوں نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ واقعتاً حضرت والا نے صحیح فرمایا تھا، میری کمر میں کوئی تکلیف نہیں تھی، میں نے محض اپنی بات رکھنے کے لیے یہ بات بنائی تھی۔

بزرگوں کی شان میں گستاخی سے بچو

دیکھیے گناہ، غلطی، کوتاہی، دنیا میں کس سے نہیں ہوتی؟ انسان سے غلطی اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے، اگر کوئی شخص بزرگوں کی بات پر نہیں چل رہا ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کسی وقت توبہ کی توفیق دے دیں گے، اس کی خطا کو معاف فرمادیں گے، لیکن بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنا یا ان کے لیے بُرے کلمات زبان سے نکالنا اور اپنے گناہ کو صحیح ثابت کرنا، یہ اتنی بری لعنت ہے کہ بسا اوقات اس

کی وجہ سے ایمان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ اس لیے اگر کسی اللہ والے کی کوئی بات پسند نہ آئے، تو کوئی بات نہیں، ٹھیک ہے پسند نہیں آئی، لیکن اس کی وجہ سے ان کے حق میں کوئی ایسا کلمہ نہ کہو جو بے عزتی اور گستاخی کی ہو، کہیں ایسا نہ کہ وہ کلمہ اللہ تعالیٰ کو ناگوار ہو جائے تو انسان کا ایمان اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

آج کل لوگوں میں یہ بیماری پیدا ہو گئی ہے کہ غلطی کو غلطی تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور گناہ کو گناہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ چوری اور پھر سینہ زوری۔ گناہ بھی کر رہے ہیں اور پھر گناہ کو صحیح ثابت کرنے کی فکر میں ہیں، مثلاً کسی بزرگ کے بارے میں یہ کہہ دینا وہ تو دکاندار آدمی تھے۔ ایسے ویسے تھے۔ ایسے کلمات زبان سے نکالنا بڑی خطرناک بات ہے۔ اس سے خود پرہیز کریں اور دوسروں کو بچانے کی فکر کریں۔

دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ

”عن جبلة بن سحيم رضي الله عنه قال: اصابنا عام سنة مع ابن الزبير رضي الله عنه فرزقنا تمرا، فكان عبد الله بن عمر رضي الله عنه امر بنا ونحن ناكل، فيقول: لا تقارنوا، فان النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن القران، ثم يقول: الا أن يستأذن الرجل أخاه.“ (۱)

حضرت جبلة بن سحيم رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضي الله عنه کھجوریں کھا رہے تھے

(۱) صحیح البخاری ۸۰/۷ (۵۴۶) و صحیح مسلم ۱۶۱۷/۳ (۲۰۴۵)۔

حکومت کے زمانے میں ہمارے اوپر قحط پڑا، قحط کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کے لیے کچھ کھجوریں عطا فرمادیں، جب ہم وہ کھجوریں کھا رہے تھے۔ اس وقت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہمارے پاس سے گزرے، انہوں نے ہم سے فرمایا کہ دو دو کھجوریں ایک ساتھ مت کھاؤ، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ دو دو کھجوریں ایک ساتھ ملا کر کھانے کو عربی میں ”قران“ کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے منع فرمایا کہ جو کھجوریں کھانے کے لیے رکھی ہیں اس میں سب کھانے والوں کا برابر مشترک حق ہے، اب اگر دوسرے لوگ تو ایک ایک کھجور اٹھا کر کھا رہے ہیں اور تم نے دو کھجوریں اٹھا کر کھانی شروع کر دیں تب تم دوسروں کا حق مار رہے ہو اور دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔ البتہ اگر دوسرے لوگ بھی دو دو کھجوریں کھا رہے ہیں تب تم بھی دو دو اٹھا کر کھاؤ، تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ کھا رہے ہیں تم بھی اسی طریقے سے کھاؤ۔ اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ دوسروں کا حق مارنا جائز نہیں۔

مشترک چیز کے استعمال کا طریقہ

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصول بیان فرمادیا کہ جو چیز مشترک ہو اور سب لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوں، اس مشترک چیز سے کوئی شخص دوسرے لوگوں سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا حق فوت ہو جائے گا، اس اصول کا تعلق صرف کھجور سے نہیں، بلکہ حقیقت میں زندگی کے ان تمام شعبوں سے اس کا تعلق ہے، جہاں چیزوں میں اشتراک پایا جاتا ہے، مثلاً آج کل کی دعوتوں میں

”سیف سروں“ کا رواج ہے کہ آدمی خود اٹھ کر جائے اور اپنا کھانا لائے اور کھانا کھائے، اب اسی کھانے میں تمام کھانے والوں کا مشترک حق ہے۔ اب اگر ایک شخص جا کر بہت سارا کھانا اپنے برتن میں ڈال کر لے آیا اور دوسرے لوگ اسے دیکھتے رہ گئے۔ تو یہ بھی اس اصول کے تحت ناجائز اور اس ”قرآن“ میں داخل ہے جس سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

پلیٹ میں کھانا احتیاط سے نکالو

اس اصول کے ذریعے امت کو یہ تعلیم دینی مقصود ہے کہ ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایثار سے کام لے، نہ یہ کہ وہ دوسروں کے حق پر ڈاکہ ڈالے۔ چاہے وہ حق چھوٹا سا کیوں نہ ہو، لہذا جب آدمی کوئی عمل کرے تو دوسروں کا حق مد نظر رکھتے ہوئے کام کرے، یہ نہ ہو کہ بس، مجھے مل جائے، چاہے دوسروں کو ملے یا نہ ملے۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے دسترخوان پر بیٹھ کر یہی مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کھانا دسترخوان پر آئے تو یہ دیکھو کہ دسترخوان پر کتنے آدمی کھانے والے ہیں اور جو چیز دسترخوان پر آئی ہے وہ سب کے درمیان برابر تقسیم کی جائے تو تمہارے حصے میں کتنی آئے گی؟ بس اس حساب سے وہ چیز تم کھاؤ، اگر اس سے زیادہ کھاؤ گے تو یہ ”قرآن“ میں داخل ہے جو ناجائز ہے۔

ریل میں زائد نشست پر قبضہ کرنا جائز نہیں

ایک مرتبہ والد ماجد رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ تم ریل گاڑی میں سفر



کرتے ہو۔ تم نے ریل گاڑی کے ڈبے میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہوگا کہ اس ڈبے میں ۲۲ مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اب آپ نے پہلے جا کر تین چار نشستوں پر قبضہ کر لیا اور اپنے لیے خاص کر لیا اور اس پر بستر لگا کر لیٹ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ سوار ہوئے ان کو بیٹھنے کے لیے سیٹ نہیں ملی، اب وہ کھڑے ہیں اور آپ لیٹے ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ بھی ”قرآن“ میں داخل ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اس لیے کہ تمہارا حق تو صرف اتنا تھا کہ ایک آدمی کی نشست پر بیٹھ جاتے، لیکن جب آپ نے کئی نشستوں پر قبضہ کر کے دوسروں کے حق کو پامال کیا تو اس عمل کے ذریعے تم نے دو گناہ کیے۔ ایک یہ کہ تم نے صرف ایک سیٹ کا ٹکٹ خریدا تھا، پھر جب تم نے اس سے زیادہ سیٹوں پر قبضہ کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیسے دیے بغیر تم نے اپنے حق سے زیادہ قبضہ کر لیا۔ دوسرا گناہ یہ کیا کہ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سیٹ پر قبضہ کر لیا، ان کا حق پامال کیا، اس طرح اس عمل کے ذریعے دو گناہوں کے مرتکب ہوئے، پہلے گناہ کے ذریعے حق اللہ پامال ہوا اور دوسرے گناہ کے ذریعے بندہ کا حق پامال ہوا۔

ساتھ سفر کرنے والے کے حقوق

اور یہ بندے کا ایسا حق ہے کہ جس کو بندوں سے معاف کرانا بھی مشکل ہے اس لیے کہ بندوں کے حق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے، جب تک صاحب حق معاف نہ کرے، محض توبہ کرنے سے معاف نہیں۔ اب اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق دی اور دل میں یہ خیال آیا کہ مجھ سے یہ غلطی ہو گئی تھی تو اب اس وقت اس شخص کو کہاں تلاش کرو گے جس نے تمہارے ساتھ ریل گاڑی میں سفر کیا تھا اور تم نے اس کا حق ضائع کر دیا تھا، اس لیے اب معافی کا

کوئی راستہ نہیں۔ اس لیے ان معاملات میں بہت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے کئی مقامات پر اس بات کا حکم دیا کہ

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ^(۱)

یعنی ”صاحب بالجنب“ کا حق ادا کرو، ”صاحب بالجنب“ اس کو کہتے ہیں جو کسی وقت عارضی طور پر ریل کے سفر میں یا بس میں یا جہاز میں، تمہارے ساتھ آکر بیٹھ گیا ہو۔ وہ ”صاحب بالجنب“ ہے، اس کے بھی حقوق ہیں۔ ان حقوق کو ضائع نہ کرو اور اس کے ساتھ ایثار سے کام لو۔ ذرا سی دیر کا سفر ہے، ختم ہو جائے گا، لیکن اگر سفر کے دوران تم نے اپنے ذمے گناہ لازم کر لیا تو وہ گناہ ساری عمر تمہارے نامہ اعمال میں لکھا رہے گا، اس کی معافی ہونی مشکل ہے، یہ سب ”قرآن“ میں داخل ہے اور ناجائز ہے۔

مشترکہ کاروبار میں حساب کتاب شرعاً ضروری ہے

آج کل یہ وبا بھی عام ہے کہ چند بھائیوں کا مشترکہ کاروبار ہے، لیکن حساب کتاب کوئی نہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم سب بھائی ہیں، حساب کتاب کی کیا ضرورت ہے؟ حساب کتاب تو غیروں میں ہوتا ہے، اپنوں میں حساب کتاب کہاں؟ اب کوئی حساب کتاب، کوئی لکھت پڑھت نہیں کہ کس بھائی کی کتنی ملکیت اور کتنا حصہ ہے؟ ماہانہ کس کو کتنا نفع دیا جائے گا؟ اس کا کوئی حساب نہیں، بلکہ الٹ ٹپ معاملہ چل رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ دنوں تک تو محبت و پیار سے حساب چلتا رہتا ہے، لیکن بعد میں دلوں میں شکوے شکایتیں پیدا ہونا

(۱) سورۃ النساء آیت (۳۶)۔

شروع ہو جاتی ہیں کہ فلاں کی اولاد تو اتنی ہے، وہ زیادہ رقم لیتا ہے، فلاں کی اولاد کم ہے، وہ کم لیتا ہے، فلاں کی شادی پر اتنا خرچ کیا گیا، ہمارے بیٹے کی شادی پر کم خرچ ہوا، فلاں نے کاروبار سے اتنا فائدہ اٹھالیا، ہم نے نہیں اٹھایا وغیرہ۔ بس اس طرح کی شکایتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے سے دور چلے گئے یاد رکھیے! ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اگر کوئی مشترک چیز ہے تو اس مشترک چیز کا حساب و کتاب رکھا جائے، اگر حساب و کتاب نہیں رکھا جا رہا ہے تو تم خود بھی گناہ میں مبتلا ہو رہے ہو اور دوسروں کو بھی گناہ میں مبتلا کر رہے ہو یاد رکھیے! بھائیوں کے درمیان معاملات کے اندر جو محبت و پیار ہوتا ہے، وہ کچھ دن چلتا ہے، بعد میں وہ لڑائی جھگڑوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر وہ لڑائی جھگڑا ختم ہونے کو نہیں آتا۔ کتنی مثالیں اس وقت میرے سامنے موجود ہیں۔

ملکیوں میں امتیاز شرعاً ضروری ہے

ملکیوں میں امتیاز ہونا ضروری ہے، یہاں تک کہ باپ بیٹے کی ملکیت میں اور شوہر بیوی کی ملکیت میں امتیاز ہونا ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں، دونوں کے گھر الگ الگ تھے، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ملکیت اور میری دونوں بیویوں کی ملکیت بالکل الگ الگ کر کے امتیاز کر رکھا ہے، وہ اس طرح کہ جو کچھ سامان بڑی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے اور جو سامان چھوٹی اہلیہ کے گھر میں ہے، وہ ان کی ملکیت ہے اور

جو سامان خانقاہ میں ہے، وہ میری ملکیت ہے، آج اگر میں دنیا سے چلا جاؤں تو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ الحمد للہ سب امتیاز موجود ہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور ملکیت کی وضاحت

میں نے اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کو بھی اسی طرح دیکھا کہ ہر چیز میں ملکیت واضح کر دینے کا معمول تھا۔ آخری عمر میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے کمرے میں ایک چار پائی ڈال لی تھی، دن رات وہیں رہتے تھے ہم لوگ ہر وقت حاضر خدمت رہا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جب میں ضرورت کی کوئی چیز دوسرے کمرے سے ان کے کمرے میں لاتا تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً فرماتے کہ اس چیز کو واپس لے جاؤ۔ اگر کبھی واپس لے جانے میں دیر ہو جاتی تو ناراض ہوتے کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ واپس پہنچا دو، ابھی تک واپس کیوں نہیں پہنچائی؟

کبھی کبھی ہمارے دل میں خیال آتا کہ ایسے جلدی واپس لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ ابھی واپس پہنچادیں گے، ایک دن خود والد ماجد رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے اپنے وصیت نامے میں لکھ دیا ہے کہ میرے کمرے میں جو چیزیں ہیں، وہ سب میری ملکیت ہیں اور اہلیہ کے کمرے میں جو چیزیں ہیں وہ ان کی ملکیت ہے، لہذا جب میرے کمرے میں کسی دوسرے کی چیز آ جاتی ہے تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال اس حالت میں ہو جائے کہ وہ چیز میرے کمرے کے اندر ہو، اس لیے وصیت نامے کے مطابق وہ چیز میری ملکیت تصور کی جائے گی، حالانکہ حقیقت میں وہ چیز



میری ملکیت نہیں ہے۔ اس لیے میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں اور تمہیں کہتا ہوں کہ یہ چیز جلدی واپس لے جاؤ۔

یہ سب باتیں بھی دین کا حصہ ہیں۔ آج ہم نے ان کو دین سے خارج کر دیا ہے اور یہی باتیں بڑوں سے سیکھنے کی ہیں اور یہ سب باتیں اسی اصول سے نکل رہی ہیں جو حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا کہ ”قرآن سے بچو۔“

مشترک چیزوں کے استعمال کا طریقہ

میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں بعض اشیاء مشترک استعمال کی ہوتی ہیں جس کو گھر کا ہر فرد استعمال کرتا ہے اور ان کی ایک جگہ مقرر ہوتی ہے کہ فلاں چیز فلاں جگہ پر رکھی جائے گی۔ مثلاً گلاس فلاں جگہ رکھا جائے گا، پیالہ فلاں جگہ رکھا جائے گا، صابن فلاں جگہ رکھا جائے گا، ہمیں فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ ان چیزوں کو استعمال کر کے بے جگہ رکھ دیتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لیے کہ وہ چیز مشترک استعمال کی ہے، جب دوسرے شخص کو اس کے استعمال کی ضرورت ہوگی تو وہ اس کو اس کی جگہ پر تلاش کرے گا اور جب جگہ پر اس کو وہ چیز نہیں ملے گی تو اس کو تکلیف اور ایذا ہوگی اور کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا گناہ کبیرہ ہے۔ ہمارا ذہن کبھی اس طرف گیا بھی نہیں تھا کہ یہ بھی گناہ کی بات ہے، ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ تو دنیا داری کا کام ہے، گھر کا انتظامی معاملہ ہے۔ یاد رکھو! زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے، جس کے بارے میں دین کی کوئی ہدایت موجود نہ ہو۔ ہم سب اپنے اپنے



گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کیا ہم لوگ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ مشترک استعمال کی اشیاء استعمال کے بعد ان کی متعین جگہ پر رکھیں، تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ ہو؟ اب یہ چھوٹی سی بات ہے، جس میں ہم صرف بے دھیانی اور بے توجہی کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمیں دین کی فکر نہیں، دین کا خیال نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا احساس نہیں، دوسرے اس لیے کہ ان مسائل سے جہالت اور ناواقفیت بھی آج کل بہت ہے۔

بہر حال! یہ سب باتیں ”قرآن“ کے اندر داخل ہیں۔ ویسے تو یہ چھوٹی سی بات ہے کہ دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھانا چاہیے، لیکن اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ہر وہ کام کرنا جس سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف ہو یا دوسروں کا حق پامال ہو، سب ”قرآن“ میں داخل ہیں۔

مشترک بیت الخلاء کا استعمال

بعض اوقات ایسی بات ہوتی ہے جس کو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے، لیکن دین کی باتیں سمجھانے کے لیے شرم کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ مثلاً آپ بیت الخلاء میں گئے اور فارغ ہونے کے بعد غلاظت کو بہایا نہیں، ویسے ہی چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ عمل گناہ کبیرہ ہے، اس لیے کہ جب دوسرا شخص بیت الخلاء استعمال کرے گا تو اس کو کراہیت ہوگی اور تکلیف ہوگی اور اس تکلیف کا سبب تم بنے، تم نے اس کو تکلیف پہنچائی اور ایک مسلمان کو تکلیف پہنچا کر تم نے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔

غیر مسلموں نے اسلامی اصول اپنالے

ایک مرتبہ میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ڈھاکہ کے سفر پر گیا۔ ہوائی جہاز کا سفر تھا، راستے میں مجھے غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہوائی جہاز کے غسل خانے میں واش بیسن کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ

”جب آپ واش بیسن استعمال کر لیں تو اس کے بعد کپڑے سے اس کو صاف اور خشک کر دیں، تاکہ بعد میں آنے والے کو کراہیت نہ ہو۔“

جب میں غسل خانے سے واپس آیا تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ غسل خانے میں واش بیسن پر جو عبارت لکھی ہے، یہ وہی بات ہے جو میں تم لوگوں سے بار بار کہتا رہتا ہوں کہ دوسروں کو تکلیف سے بچانا دین کا حصہ ہے۔ جو ان غیر مسلموں نے اختیار کر لیا ہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی عطا فرمادی ہے اور ہم لوگوں نے ان باتوں کو دین سے خارج کر دیا ہے اور دین کو صرف نماز روزے کے اندر محدود کر دیا ہے، معاشرت کے ان آداب کو بالکل چھوڑ دیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگ پستی اور تنزلی کی طرف جا رہے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، اس میں جیسا عمل اختیار کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کے ویسے ہی نتائج پیدا فرمائیں گے۔

ایک انگریز خاتون کا واقعہ

گزشتہ سال مجھے لندن جانے کا اتفاق ہوا، پھر وہاں لندن سے ٹرین کے ذریعے ایڈمبر جا رہا تھا۔ راتے میں غسل خانے میں جانے کی ضرورت پیش آئی، جب غسل خانے کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک انگریز خاتون دروازے پر کھڑی ہے، میں یہ سمجھا کہ شاید غسل خانہ اس وقت فارغ نہیں ہے اور یہ خاتون اس انتظار میں ہے کہ جب فارغ ہو جائے تو وہ اندر جائے۔ چنانچہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا۔ جب کافی دیر گزر گئی کہ نہ تو اندر سے کوئی نکل رہا تھا اور نہ یہ اندر جارہی تھی۔ میں دوبارہ غسل خانے کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ غسل خانے کے دروازے پر لکھا ہے کہ یہ خالی ہے، اندر کوئی نہیں۔ چنانچہ میں نے ان خاتون سے کہا کہ آپ اندر جانا چاہیں تو چلی جائیں، غسل خانہ تو خالی ہے، ان خاتون نے کہا کہ میں ایک اور وجہ سے کھڑی ہوں، وہ یہ کہ میں اندر ضرورت کے لیے گئی تھی اور ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد ابھی میں نے اس کو فلش نہیں کیا تھا کہ اتنے میں گاڑی اسٹیشن پر آ کر کھڑی ہو گئی اور قانون یہ ہے کہ جب گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی ہو، اس وقت غسل خانہ استعمال نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس میں پانی بہانا چاہیے، اب میں اس انتظار میں ہوں کہ جب گاڑی چل پڑے تو میں اس کو فلش کر دوں اور اس میں پہانی بہادوں؛ اور پھر اپنی سیٹ پر واپس جاؤں۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خاتون صرف اس انتظار میں تھی کہ فلش کرنا رہ گیا تھا اور اب تک فلش بھی اس لیے نہیں کیا تھا کہ یہ قانون کی خلاف ورزی ہو جائے گی۔ اس وقت مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات یاد آ گئی، وہ





فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کا خیال اور اہتمام کہ آدمی فلش کر کے جائے، اصل میں یہ دین کا حکم ہے، تاکہ بعد میں آنے والے کو تکلیف نہ ہو، لیکن دین کی اس بات پر ایک غیر مسلم نے کس اہتمام سے عمل کیا، آپ اندازہ لگائیں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اگر مشترک چیز استعمال کرے تو کیا اس کو اس بات کا اہتمام اور خیال ہوتا ہے؟ بلکہ ہم لوگ ویسے ہی گندہ چھوڑ دیتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ جو بعد میں آئے گا، وہ بھرے گا، وہ خود ہی نمٹ لے گا، وہ جانے، اس کا کام جانے۔

غیر مسلم قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں

خوب سمجھ لیجیے! یہ دنیا اسباب کی دنیا ہے، اگر یہ باتیں غیر مسلموں نے حاصل کر کے ان پر عمل کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ترقی دے دی۔ اگرچہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، لیکن معاشرت کے وہ آداب جو ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھائے تھے، ان آداب کو انہوں نے اختیار کر لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ترقی دے دی۔ لہذا یہ اعتراض تو کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، ایمان کا اقرار کرتے ہیں، اس کے باوجود ہم دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ دوسرے غیر مسلم ہونے کے باوجود ترقی کر رہے ہیں، لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ان غیر مسلموں کا یہ حال ہے کہ وہ تجارت میں جھوٹ نہیں بولیں گے، امانت اور دیانت سے کام لیں گے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تجارت چمکادی، لیکن مسلمانوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا اور دین کو مسجد اور مدرسے تک محدود کر کے بیٹھ گئے۔ زندگی کی باقی چیزوں کو دین سے خارج کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے دین سے بھی دور ہو گئے اور دنیا میں بھی



ذلیل و خوار ہو گئے۔ حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے یہ سب تعلیمات ہمیں عطا فرمائیں تاکہ ہم ان کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں اور ان کو دین کا حصہ سمجھیں۔ بہر حال! بات یہاں سے چلی تھی کہ ”دو کھجوروں کو ایک ساتھ ملا کر نہ کھاؤ“، لیکن اس سے کتنے اہم اصول ہمارے لیے نکلتے ہیں اور یہ کتنی ہمہ گیر بات ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں احساس اور ادراک پیدا فرمادے۔ آمین۔

ٹیک لگا کر کھانا خلاف سنت ہے



عن ابی جحیفۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:
”لَا اَکَلُ مَشْکِنًا“ (۱)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

”رأیت رسول اللہ ﷺ جالساً مقعیناً یا کلاً تمراً۔“ (۲)

میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اس طرح بیٹھے ہوئے کھجور کھا رہے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے گھنے کھڑے کیے ہوئے تھے۔

(۱) صحیح البخاری ۷۲/۷ (۵۳۹۸-۵۳۹۹) و سنن ابی داؤد ۳/۲۴۸ (۲۷۶۹)۔

(۲) صحیح مسلم ۱۶۱۶/۳ (۲۰۴۴) و سنن ابی داؤد ۳/۲۴۸ (۲۷۷۱)۔ مکررہ الفاظ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ

کی کتاب ریاض الصالحین ص ۳۴۹ (۷۳۷)۔ طبع موسسہ الرسالہ۔ کے ہیں جو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ

نے بحوالہ مسلم نقل کیے ہیں۔ از مرتب۔

اکڑوں بیٹھ کر کھانا مسنون نہیں

کھانے کی نشست کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں چند غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کو دور کرنا ضروری ہے۔ حضور اقدس سرورِ دو عالم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں کھانے کی مستحب اور بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ اس نشست کے ذریعے کھانے کی تعظیم بھی ہو، اور تواضع بھی ہو، متکبرانہ نشست نہ ہو اور اس نشست میں کھانے کی بے توقیری اور بے عزتی نہ ہو۔ یہ جو مشہور ہے کہ حضور اقدس سرورِ دو عالم ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے، بات اس طرح درست نہیں۔ مجھے ایسی کوئی حدیث نہیں ملی جس میں حضور اقدس ﷺ کا اکڑوں بیٹھ کر کھانا ثابت ہو، البتہ جو اوپر حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں جس نشست کا ذکر کیا گیا ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے زمین پر بیٹھ کر اپنے دونوں گھٹنے سامنے کی طرف کھڑے کر دیے تھے۔ اس حدیث میں ”اکڑوں“ بیٹھنا مراد نہیں، لہذا یہ مشہور ہے کہ کھانے کے وقت آنحضرت ﷺ کی نشست تواضع والی نشست ہوتی تھی، جس میں دیکھنے والے کو فرعونیت یا تکبر یا رعونت کا احساس نہ ہو، بلکہ عبدیت کا احساس ہوتا ہو۔

کھانے کی بہترین نشست

ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ اس طرح کھانا کھا رہے تھے،

جس طرح غلام کھانا کھاتا ہے^(۱)۔ بہر حال! احادیث کے مجموعے سے فقہاء کرام نے جو بات اخذ کی ہے وہ یہ ہے کہ کھانے کی بہتر نشست یہ ہے کہ آدمی یا دو زانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لیے کہ اس میں تواضع بھی زیادہ ہے اور کھانے کا احترام بھی ہے اور اس نشست میں بسیار خوری کا سد باب بھی ہے، اس لیے جب آدمی خوب پھیل کر بیٹھے گا تو زیادہ کھایا جائے گا اور ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایک ٹانگ اٹھا کر اور ایک ٹانگ بچھا کر کھانا بھی اسی فائدے میں داخل ہے اور یہ بھی تواضع والی نشست ہے اور اس طرح بیٹھ کر کھانے میں دنیا کا بھی فائدہ ہے اور آخرت کا بھی فائدہ ہے۔

چار زانوں بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے

کھانے کے وقت چار زانوں ہو کر بیٹھنا بھی جائز ہے، ناجائز نہیں۔ اس

(۱) اس طرح کی روایت مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں ملاحظہ ہو:

(ا) حدیث عائشة رضی اللہ عنہا مسند ابی یعلیٰ ۳۱۸/۸ (۴۹۲۰) طبع دار للامون للتراث۔ وقال المہشمی فی "مجمع الزوائد" ۵۸۲/۸ (۱۴۲۱۰): رواہ أبو یعلیٰ، وإسناده حسن۔ (طبع دار الفکر).

(ب) حدیث ابی ہریرة رضی اللہ عنہ مسند البزار ۲۳/۱ (۹۵۴۶) طبع مكتبة العلوم. للدينة للنورة. وقال المہشمی فی "المجمع" ۲۱/۵ (۷۹۱۶): رواہ البزار، وفيه عبد الله بن رشيد، ومجاعة أبو عبيدة البصري، ولم أعرفهما، وبقية رجاله ثقات

(ج) حدیث عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما مسند البزار ۱۵۴/۱۲ (۵۷۵۲) وقال المہشمی فی "المجمع" ۵۸۶/۸ (۱۴۲۳۶): رواہ البزار، وفيه حفص بن عمارة الطلحي ولم أعرفه، وبقية رجاله وثقوا.

(د) حدیث ابی امامة رضی اللہ عنہ للعجم الكبير ۲۰۰/۸ (۷۸۱۲)۔ وقال المہشمی فی "المجمع" ۵۸۷/۸ (۱۴۲۳۷): إسناده ضعيف۔

میں کوئی گناہ نہیں، لیکن یہ نشست تواضع کے اتنے قریب نہیں ہے، جتنی پہلی دو نشستیں قریب ہیں، لہذا عادت تو اس بات کی ڈالنی چاہیے کہ آدمی دوزانوں بیٹھ کر کھائے یا ایک ٹانگ کھڑی کر کے کھائے، چار زانوں بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ چار زانوں بیٹھ کر کھانا ناجائز ہے، یہ خیال درست نہیں، غلط ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ دوزانوں بیٹھ کر کھائے۔ اس لیے کہ اس نشست میں کھانے کی عظمت اور توقیر زیادہ ہے۔

میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا

میز کرسی پر کھانا بھی کوئی گناہ اور ناجائز نہیں، لیکن زمین پر بیٹھ کر کھانے میں سنت کی اتباع کا ثواب بھی ہے اور سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے حتی الامکان انسان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر کھائے، اس لیے کہ جتنا سنت سے زیادہ قریب ہوگا، اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی اور اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ اتنے ہی فوائد زیادہ حاصل ہوں گے۔ بہر حال! میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، گناہ نہیں ہے۔

زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے

حضور اقدس ﷺ دو وجہ سے زمین پر بیٹھ کر کھاتے تھے، ایک تو یہ کہ اس زمانے میں زندگی سادہ تھی، میز کرسی کا رواج ہی نہیں تھا۔ اس لیے نیچے بیٹھا کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نیچے بیٹھ کر کھانے میں تواضع زیادہ ہے اور کھانے کی توقیر بھی زیادہ ہے۔ آپ اس کا تجزیہ کر کے دیکھ لیجیے کہ کرسی پر بیٹھ کر

کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی اور زمین پر بیٹھ کر کھانے میں دل کی کیفیت اور ہوگی، دونوں میں زمین آسمان کا فرق محسوس ہوگا۔ اس لیے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں طبیعت کے اندر تواضع زیادہ ہوگی، عاجزی زیادہ ہوگی، مسکنت ہوگی، عہدیت ہوگی اور میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کی صورت میں یہ باتیں پیدا نہیں ہوتیں، اس لیے حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ آدمی زمین پر بیٹھ کر کھائے، لیکن اگر کہیں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کا موقع آجائے، تو اس طرح کھانے میں کوئی حرج اور گناہ بھی نہیں ہے، لہذا اس پر اتنا تشدد کرنا بھی ٹھیک نہیں جیسا کہ بعض لوگ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو حرام اور ناجائز ہی سمجھتے ہیں، اس پر بہت زیادہ نکیر کرتے ہیں، یہ عمل بھی درست نہیں۔

بشرطیکہ اس سنت کا مذاق نہ اڑایا جائے

اور یہ جو میں نے کہا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے اور زیادہ افضل ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، یہ بھی اس وقت ہے جب اس سنت کو ”معاذ اللہ“ مذاق نہ بنایا جائے، لہذا اگر کسی جگہ پر اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر نیچے زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا گیا تو لوگ اس سنت کا مذاق اڑائیں گے تو ایسی جگہ زمین پر کھانے پر اصرار کرنا بھی درست نہیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن سبت میں ہمیں ایک واقعہ سنایا کہ ایک دن میں اور میرے کچھ رفقاء دیوبند سے دہلی گئے، جب دہلی پہنچے تو وہاں کھانا کھانے کی ضرورت پیش آئی چونکہ اور کوئی جگہ کھانے کی نہیں تھی، اس لیے ایک ہوٹل میں کھانے کے لیے چلے گئے۔ اب ظاہر ہے کہ ہوٹل میں میز کرسی پر

کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے دوستوں نے کہا ہم تو کرسی پر بیٹھ کر نہیں کھائیں گے، اس لیے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ چاہا کہ ہوٹل کے اندر زمین پر اپنا رومال بچھا کر وہاں بیرے سے کھانا منگوائیں، حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو منع کیا کہ ایسا نہ کریں، بلکہ میز کرسی پر ہی بیٹھ کر کھانا کھالیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم میز کرسی پر کیوں کھائیں؟ جب زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے زیادہ قریب ہے۔ تو پھر زمین پر بیٹھ کر کھانے سے کیوں ڈریں اور کیوں شرمائیں؟ حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ شرمانے اور ڈرنے کی بات نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب تم لوگ یہاں اس طرح زمین پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھو گے، تو لوگوں کے سامنے اس سنت کا تم مذاق بناؤ گے اور لوگ اس سنت کی توہین کے مرتکب ہوں گے، اور سنت کی توہین کا ارتکاب صرف گناہ ہی نہیں، بلکہ بعض اوقات انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

ایک سبق آموز واقعہ

پھر حضرت والد صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ تم کو ایک قصہ سنانا ہوں۔ ایک بہت بڑے محدث اور بزرگ گزرے ہیں، جو ”سلیمان اعشؒ“ کے نام سے مشہور ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بھی استاذ ہیں۔ تمام احادیث کی کتابیں ان کی روایتوں سے بھری ہوئی ہیں، عربی زبان میں ”اعش“ چونڈھے کو کہا جاتا ہے۔ جس کی آنکھوں میں چندھیہٹ ہو، جس کی پلکیں گر جاتی ہیں اور روشنی کی وجہ سے اس کی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، چونکہ ان کی آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں۔ اس وجہ سے ”اعش“ لقب سے مشہور تھے۔ ان کے استاذ

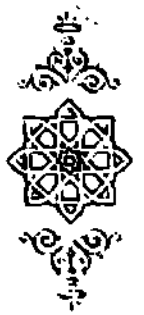
ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ، جو اعرج، یعنی لنگڑے تھے، پاؤں سے معذور تھے اور یہ شاگرد بھی ایسے تھے جو ہر وقت استاذ سے چٹے رہنے والے تھے، جیسے بعض شاگردوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر وقت استاذ سے چٹے رہتے ہیں۔ جہاں استاذ جارہے ہیں، وہاں شاگرد بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ یہ بھی ایسے تھے، چنانچہ امام نخعی رضی اللہ عنہ جب بازار جاتے تو یہ امام ”اعمش“ شاگرد بھی ساتھ ہو جاتے تھے، بازار میں لوگ ان پر فقرے کتے کہ دیکھو استاذ ”لنگڑا“ ہے اور شاگرد ”چوندھا“۔ چنانچہ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا کہ جب ہم بازار جایا کریں تو تم ہمارے ساتھ مت جایا کرو، شاگرد نے کہا کیوں؟ میں آپ کا ساتھ کیوں چھوڑوں؟ امام نخعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب ہم بازار جاتے ہیں تو لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں کہ استاذ لنگڑا ہے اور شاگرد چوندھا ہے۔ شاگرد نے کہا:

”مالناؤ جرو یا ثمون“

حضرت! جو لوگ مذاق اڑاتے ہیں، ان کو مذاق اڑانے دیں، اس لیے اس مذاق اڑانے کے نتیجے میں ہمیں ثواب ملتا ہے اور ان کو گناہ ہوتا ہے۔ اس میں ہمارا تو کوئی نقصان نہیں، بلکہ ہمارا تو فائدہ ہے، حضرت امام نخعی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ

”نسلم ویسلمون خیر من أن نؤجر ویأثمون“

ارے بھائی! وہ بھی گناہ سے بچ جائیں اور ہم بھی گناہ سے بچ جائیں، یہ اس کی نسبت بہتر ہے کہ ہمیں ثواب ملے اور ان کو گناہ ہو۔ میرے ساتھ جانا کوئی فرض و واجب تو ہے نہیں اور نہ جانے میں کوئی نقصان تو ہے نہیں، البتہ



فائدہ یہ ہے کہ لوگ اس گناہ سے بچ جائیں گے۔ لہذا ہمارے مسلمان بھائیوں کو گناہ ہو۔ اس سے بہتر یہ صورت ہے کہ نہ ان کو گناہ ہو اور نہ ہمیں گناہ ہو۔ اس لیے آئندہ میرے ساتھ بازار مت جایا کرو (۱)۔

اس وقت مذاق کی پرواہ نہ کرے

لیکن یہ بات یاد رکھو! اگر کوئی گناہ کا کام ہے، تو پھر چاہے کوئی مذاق اڑائے یا ہنسی اڑائے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے گناہ کا کام کرنا جائز نہیں۔ لوگوں کے مذاق اڑانے کی وجہ سے کوئی فرض یا واجب کام چھوڑنا جائز نہیں، لیکن اگر ایک طرف جائز اور مباح کام ہے اور دوسری طرف اولیٰ اور افضل کام ہے۔ اب اگر لوگوں کو گناہ سے بچانے کے لیے افضل کام چھوڑ دو اور اس کے مقابلے میں جو جائز کام ہے۔ اس کو اختیار کر لو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ایسا کرنا درست ہے۔

بلا ضرورت میز کرسی پر نہ کھائے

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی ضرورت پیش آگئی، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت فرمایا کہ ویسے تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا ناجائز تو نہیں ہے، لیکن اس میں تھوڑا سا تہمتہ کا شبہ ہے کہ چونکہ انگریزوں کا چلایا ہوا طریقہ ہے، اس طرح کھانے میں ان کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ اس لیے جب آپ کرسی پر بیٹھے تو پاؤں اٹھا کر بیٹھ گئے،

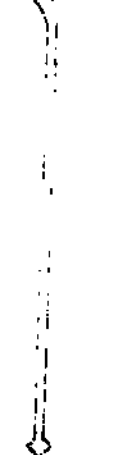
(۱) المنتظم فی تاریخ الملوک والامم لابن الجوزی ۲۱/۷ طبع دار الکتب العلمیۃ

پاؤں لٹکائے نہیں اور پھر فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو جانے کا جو شبہ تھا، وہ اس طرح بیٹھنے سے ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ وہ لوگ پاؤں لٹکا کر کھاتے ہیں، میں نے پاؤں اوپر کر لیے ہیں۔

بہر حال! میز کرسی پر کھانا ناجائز اور گناہ نہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ آدمی جتنا سنت سے قریب ہوگا اتنی ہی برکت زیادہ ہوگی، اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا، لہذا بلا وجہ اور بلا ضرورت میز کرسی پر بیٹھ کر کھانے کو اپنی عادت بنا لینا اچھا نہیں، بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھانے کا اہتمام کرے، لیکن جہاں کہیں ضرورت داعی ہو۔ وہاں میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھایا جاسکتا ہے۔ البتہ اس بات کا اہتمام کرے کہ پیچھے ٹیک لگا کر نہ کھائے، بلکہ آگے کی طرف جھک کر کھائے، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے ٹیک لگا کر کھانے کو متکبرین کا طریقہ قرار دیا ہے۔ یہ طریقہ درست نہیں۔

چارپائی پر کھانا

اسی طرح چارپائی پر بیٹھ کر کھانا بھی جائز ہے، بلکہ کرسی پر کھانے کے مقابلے میں چارپائی پر کھانا زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ وہ طریقہ جس میں کھانے والا اور کھانے کی سطح برابر ہو۔ اس سے بہتر ہے جس میں کھانا اوپر ہو اور کھانے والا نیچے ہو۔ البتہ سب سے بہتر یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر کھایا جائے، اس میں ثواب بھی زیادہ ہے۔ تو اضع بھی اس سے زیادہ ہے اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے بھی زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمیں سنتوں سے زیادہ قریب رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



کھانے کے وقت باتیں کرنا

ایک غلط بات لوگوں میں مشہور ہے کہ کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز نہیں، یہ بھی بے اصل بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کھانا کھانے کے دوران ضرورت کی بات کی جاسکتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت بھی ہے، البتہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ

”اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کھانے کے وقت جو باتیں کی جائیں وہ ہلکی پھلکی ہوں، زیادہ سوچ و بچار اور زیادہ انہماک کی باتیں کھانے کے وقت نہیں کرنی چاہیے، اس لیے کہ کھانے کا بھی حق ہے۔“

وہ حق یہ ہے کہ کھانے کی طرف متوجہ ہو کر کھانا چاہیے، لہذا ایسی باتیں کرنا جس میں انسان منہمک ہو جائے اور کھانے کی طرف توجہ نہ رہے، ایسی باتیں کرنا درست نہیں۔ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کی ہلکی پھلکی باتیں کر سکتے ہیں، لیکن یہ جو مشہور ہے کہ آدمی کھانے کے وقت بالکل خاموش رہے کوئی بات نہ کرے، یہ درست نہیں۔

کھانے کے بعد ہاتھ پونچھ لینا جائز ہے

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا أكل أحدكم طعاماً فلا يمسح أصابعه حتى يلعقها أو يلعقها»^(۱)

(۱) صحیح البخاری ۸۲/۷ (۵۴۵۶) و صحیح مسلم ۱۶۰۵/۳ (۲۰۳۱)۔ مذکورہ الفاظ ریاض الصالحین ص ۲۴۹ (۷۴۸) کے ہیں۔ از مرتب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو اپنی انگلیوں کو صاف نہ کرے۔ جب تک خود ان کو چاٹ نہ لے یا دوسرے کو نہ چٹوادے۔

علماء کرام نے فرمایا کہ اس حدیث سے دو مسئلے نکلتے ہیں اور دو ادب اس حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا مسئلہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد جس طرح ہاتھ دھونا جائز، بلکہ مستحب ہے اور سنت ہے۔ اسی طرح ان ہاتھوں کو کسی چیز سے پونچھ لینا بھی جائز ہے۔ البتہ افضل تو یہ ہے کہ ہاتھوں کو پانی سے دھولیا جائے، لیکن اگر پانی موجود نہیں ہے یا پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف اور دشواری ہے، تو اس صورت میں کسی کاغذ یا کپڑے سے پونچھ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ آج کل ٹیشو پیپر اسی مقصد کے لیے ایجاد ہو گئے، ان سے ہاتھ پونچھ لینا بھی جائز ہے۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا سنت ہے

دوسرا مسئلہ جو اس حدیث کے بیان کا اصل مقصود ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو دھونے اور پونچھنے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے اور خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی کہ کھانے کے جو ذرات انگلیوں پر لگے رہ جاتے، آپ انہیں چاٹ لیتے تھے (۱) اور اس کی حکمت حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ تمہیں نہیں

(۱) صحیح مسلم ۱۶۰۵/۳ (۲۰۲۲) و سنن ابی داؤد ۳۶۶/۳ (۲۸۸۸)۔

معلوم کہ کھانے کے کون سے حصے میں برکت ہے (۱)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھانے کے اس مخصوص جزء میں برکت ہو، جو تمہاری انگلیوں پر لگا رہ گیا ہے، لہذا اس حصے کو بھی ضائع نہ کرو، بلکہ اس کو بھی کھا لو، تاکہ اس برکت سے محروم نہ رہو۔

برکت کیا چیز ہے؟

یہ برکت کیا چیز ہے؟ آج کی دنیا مادہ پرستی میں گھری ہوئی ہے، صبح سے لے کر شام تک مادہ ہی چکر کاٹنا نظر آتا ہے اور مادے کے پیچھے، مال و دولت اور سامان و اسباب کے پیچھے جھانکنے کی صلاحیت ہی ختم ہو گئی ہے۔ اس لیے آج کل برکت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ برکت کیا چیز ہے؟ برکت ایک ایسا وسیع مفہوم ہے۔ جس میں دنیا و آخرت کی تمام صلاح و فلاح سب شامل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک عطا ہوتی ہے، جس کا آپ نے اپنی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا ہوگا۔ مثلاً کہ بعض اوقات انسان کسی چیز کے بے شمار اسباب جمع کر لیتا ہے۔ مگر ان سے فائدہ نہیں ہوتا، مثلاً اپنے گھر کے اندر آرام و راحت کے تمام اسباب جمع کر لیے، اعلیٰ سے اعلیٰ فرنیچر سے گھر کو سجادیا۔ بہترین بیڈ لگالیے، حشم و خدم، نوکر چاکر سب جمع کر لیے، سجاوٹ کا سارا سامان جمع کر لیا، لیکن اس کے باوجود رات کو نیند نہیں آتی، ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتے رہے۔ معلوم ہوا کہ ساز و سامان میں برکت نہیں اور اس سامان سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔ اب ہٹاؤ کہ کیا یہ ساز و سامان اپنی ذات میں خود مقصود ہیں

(۱) صحیح مسلم ۱۶۰۶/۲ (۲۰۲۳) و مسند الحمیدی ۲/۲۲۵ (۱۲۷۰) طبع دار السقاء۔ دمشق۔

کہ ان کو دیکھتے رہو؟ اور خوش ہوتے رہو، ارے یہ سامان تو اس لیے ہے کہ ان کے ذریعے راحت ملے، آرام ملے، سکون حاصل ہو، یاد رکھو! یہ ساز و سامان اگرچہ راحت اور سکون کا ذریعہ تو ہیں، لیکن جس چیز کا نام ”راحت اور سکون“ ہے، وہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، لہذا جب اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے تب ”راحت و آرام“ حاصل ہوگا۔ ورنہ دنیا کا کتنا بھی اسباب و سامان جمع کر لو، مگر راحت اور آرام نہیں ملے گا۔

اسباب میں راحت نہیں

آج ہر شخص اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ آج سے تیس چالیس سال پہلے ہر شخص کے پاس کیسا ساز و سامان تھا اور آج کتنا ہے اور کیسا ہے؟ جائزہ لینے سے یہی نظر آئے گا کہ بیشتر افراد وہ ہیں جن کی معاشی حالت میں ترقی ہوئی ہے، ان کے گھر کے ساز و سامان میں اضافہ ہوا ہے، فرنیچر پہلے سے اچھا ہے، گھر پہلے سے اچھا بن گیا ہے، آرام وہ چیزیں پہلے سے زیادہ حاصل ہو گئیں، لیکن یہ دیکھو کہ کیا سکون بھی حاصل ہوا؟ کیا راحت و آرام ملا؟ اگر سکون و آرام نہیں ملا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سامان میں اللہ تعالیٰ سے برکت حاصل نہیں ہوئی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز میں برکت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہیے تھا، وہ حاصل ہو رہا ہے۔ اور بے برکتی یہ ہے کہ اس چیز کے استعمال کے باوجود راحت اور آرام حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

راحت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے

یا درکھو! راحت، آرام، سکون یہ چیزیں بازار سے پیسوں کے ذریعے نہیں خریدی جاسکتیں، یہ خالص اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، وہی عطا فرماتے ہیں، اسی کا نام برکت ہے۔ جن لوگوں کے پیسوں میں برکت ہوتی ہے، گنتی کے اعتبار سے تمہارے مقابلے میں ان کے پاس شاید پیسے کم ہوں، لیکن پیسوں کا جو فائدہ ہے؛ یعنی راحت و آرام، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے۔

مثلاً ایک دولت مند انسان ہے، اس کے پاس دنیا کا سارا ساز و سامان جمع ہے، کارخانے ہیں، کاریں کھڑی ہیں، فرنیچر ہے، نوکر چاکر ہیں، جب کھانا چنا جاتا ہے تو دسترخوان پر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے موجود ہیں، لیکن معدہ خراب ہے، بھوک نہیں لگتی، ڈاکٹر نے منع کیا ہے کہ فلاں چیز نہیں کھا سکتے فلاں چیز نہیں کھا سکتے، اب نعمتوں کے موجود ہونے کے باوجود ان سے فائدہ حاصل نہیں ہو رہا، اسی کا نام بے برکتی ہے۔

دوسری طرف ایک مزدور نے آٹھ گھنٹے محنت کر کے سو روپے کمائے اور پھر ہوٹل سے دال روٹی یا سبزی روٹی خریدی اور پھر بھوک کے بعد خوب پیٹ بھر کر کھایا، کھانے کی پوری لذت حاصل کی اور جب رات کو اپنی ٹوٹی پھوٹی چار پائی پر سویا تو آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لے کر اٹھا، جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کی لذت اس مزدور کو حاصل ہوئی، نیند کی لذت بھی اس کو حاصل ہوئی۔ البتہ اتنی بات ہے کہ دولت مند جیسا ٹاپ اس کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہے برکت کہ اللہ تعالیٰ نے تھوڑی سی چیز میں برکت ڈال دی اور جن چیزوں سے جو فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ وہ اُس سے حاصل کر لیا۔

کھانے میں برکت کا مطلب

دیکھیے! جو کھانا آپ کھا رہے ہیں، یہ کھانا بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ کھانے کا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے قوت حاصل ہو، جسم کو تقویت ملے، کھانے سے مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے بھوک مٹ جائے اور وہ کھانا جزو بدن بن جائے، اس کے ذریعے لذت اور راحت حاصل ہو، لیکن کھانے کے ذریعے ان تمام چیزوں کا حاصل ہونا، یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اس بات کو حضور اقدس ﷺ اس حدیث میں بیان فرما رہے ہیں کہ ”تمہیں کیا معلوم کہ کھانے کے کس جزء میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے؟“ ہو سکتا ہے جو کھانا تم کھا چکے ہو، اس میں برکت نہ ہو اور انگلیوں پر کھانے کا جو حصہ لگا ہوا تھا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی تھی، تم نے اس کو چھوڑ دیا۔ جس کے نتیجے میں تم برکت سے محروم رہ گئے۔ چنانچہ وہ کھانا تو تم نے کھالیا، لیکن وہ کھانا نہ تو جزو بدن بنا، بلکہ اس کھانے نے بدبھمی پیدا کر دی اور صحت کو نقصان پہنچا دیا اور اس سے جو قوت حاصل ہونی تھی، وہ حاصل نہ ہوئی۔

کھانے کے باطن پر اثرات

یہ تو میں ظاہری سطح کی باتیں کر رہا ہوں، ورنہ اللہ تبارک و تعالیٰ جن لوگوں کو ”دیدہ پینا“ یعنی بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں وہ اس سے بھی آگے پہنچتے ہیں، وہ یہ کہ کھانے کھانے میں فرق ہے۔ یہ کھانا انسان کی فکر پر، اس کی سوچ پر، اس کے جذبات اور خیالات پر اثر انداز ہوتا ہے، بعض کھانے وہ ہوتے ہیں جو انسان کے باطنی حالات میں خلعت اور تاریکی پیدا کرتے ہیں۔ گناہوں کا

شوق اور خراب داعیے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور بعض کھانے ایسی برکت والے ہوتے ہیں کہ جس کی وجہ سے باطن کو سرور حاصل ہوتا ہے، روح کو غذا ملتی ہے، اچھے ارادے اور اچھے خیالات دل میں آتے ہیں، جس کی وجہ سے انسان کو نیکیوں کی ترغیب ہوتی ہے، نیکیوں کا داعیہ دل میں ابھرتا ہے، لیکن چونکہ ہماری آنکھیں اس مادہ پرستی کے دور میں اندھی ہو چکی ہیں، ہم لوگ بصیرت کھو چکے ہیں، جس کی وجہ سے کھانے کی ظلمت اور نورانیت کا فرق نہیں پتہ چلتا۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ بصیرت کی آنکھ عطا فرماتے ہیں۔ ان سے پوچھیے۔

کھانے کے اثرات کا واقعہ

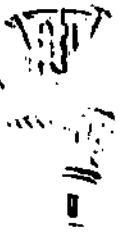
حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے استاذ تھے، غالباً انہی کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ حضرت والا کی دعوت کی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے، کھانا شروع کیا، ایک نوالہ کھانے کے بعد معلوم ہوا کہ جس شخص نے دعوت کی ہے۔ اس کی آمدنی حلال نہیں ہے، اس کی وجہ سے یہ کھانا حلال نہیں ہے، چنانچہ کھانا چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور واپس چلے آئے، لیکن ایک نوالہ جو حلق سے نیچے اتار لیا تھا۔ اس کی ظلمت اور تاریکی دو ماہ تک انہیں محسوس ہوتی رہی۔ وہ اس طرح کے دو ماہ تک ان کے دل میں گناہ کرنے کے داعیے بار بار پیدا ہوتے رہے۔ دل میں یہ تقاضا ہوتا کہ فلاں گناہ کر لوں، فلاں گناہ کر لوں۔ اب بظاہر تو اس میں کوئی جوڑ نظر نہیں آتا کہ ایک لقمہ کھا لینے میں اور گناہ کا تقاضہ پیدا ہونے میں کیا جوڑ ہے؟

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہمیں اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ ہمارا سینہ

ظلمت کے داغوں سے بھرا ہوا ہے۔ جیسے ایک سفید کپڑے کے اوپر بے شمار سیاہ داغ لگے ہوئے ہوں، اس کے بعد ایک داغ اور لگ جائے، پتہ بھی نہیں چلے گا کہ نیا داغ کون سا ہے؟ لیکن اگر کپڑا سفید، صاف شفاف ہو، اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو دور سے نظر آئے گا کہ داغ لگا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح ان اللہ والوں کے دل آئینے کی طرح صاف شفاف ہوتے ہیں، اس پر اگر ایک داغ بھی لگ جائے تو وہ بھی محسوس ہوتا ہے، اس کی ظلمت نظر آتی ہے، چنانچہ ان اللہ کے بندے نے یہ محسوس کر لیا کہ اس ایک لقمے کے کھانے سے پہلے تو نیکی کے داعی بھی دل میں پیدا ہو رہے ہیں گناہوں سے نفرت ہے، لیکن ایک لقمہ کھانے کے بعد دل میں گناہوں کے تقاضے پیدا ہونے لگے، اس لیے بعد میں فرمایا کہ درحقیقت یہ اس ایک خراب لقمے کی ظلمت تھی۔ اس کا نام ”برکت باطنی“ ہے، جب اللہ تعالیٰ یہ برکت باطنی عطا فرمادیتے ہیں تو پھر اس کے ذریعے انسان کے باطن میں ترقی ہوتی ہے، اخلاق اور خیالات درست ہو جاتے ہیں۔

ہم مادہ پرستی میں پھنسے ہوئے ہیں

آج ہم مادہ پرستی میں اور پیسوں کی گنتی میں پھنس گئے، ساز و سامان اور ٹیپ ٹاپ میں پھنس گئے، جس کے نتیجے میں ہر کام کی باطنی روح ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی اور یہ باتیں اٹھنی معلوم ہوتی ہیں، اس لیے برکت کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر کوئی ہزار بار کہے کہ فلاں کام میں برکت ہے تو اس کی اہمیت دل میں پیدا نہیں ہوتی، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ کھانا کھاؤ گے تو ایک ہزار روپے زیادہ ملیں گے تو اب طبیعت میں اس کھانے کی طرف رغبت پیدا



ہوگی کہ ہاں! یہ فائدے کا کام ہے اور اگر کوئی کہے کہ فلاں طریقے سے کھاؤ گے تو اس کھانے میں برکت ہوگی تو اس طریقے کی طرف رغبت نہیں ہوگی، اس لیے کہ یہ پتہ ہی نہیں کہ برکت کیا ہوتی ہے؟ اس برکت کا ذہن میں تصور ہی نہیں ہے، حالانکہ حضور نبی کریم ﷺ نے جگہ جگہ احادیث میں فرمادیا کہ اس عمل سے برکت حاصل ہوگی اور اس عمل سے برکت سلب ہو جائے گی، برکت حاصل کرنے کی کوشش کرو، بے برکتی سے بچو۔ اس لیے یہ بات یاد رکھو کہ یہ برکت اس وقت تک حاصل نہیں ہوگی جب تک حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کا اتباع نہیں ہوگا، چنانچہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لو، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ کھانے کے جوذرات انگلیوں میں لگے ہوئے ہیں ان میں برکت ہو۔

کیا انگلیاں چاٹ لینا شائستگی کے خلاف ہے؟

آج فیشن پرستی کا زمانہ ہے۔ لوگوں نے اپنے لیے نئے نئے ایکسیشن (atticates) بنا رکھے ہیں، چنانچہ اگر دسترخوان پر سب کے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں، اس وقت اگر انگلیوں پر لگے ہوئے سالن کو چاٹ لیں، تو یہ شائستگی کے خلاف ہے، تہذیب کے خلاف ہے، یہ تو ناشائستگی اور بد تہذیبی ہے، اس لیے اس کام کو کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اگر لوگوں کے سامنے کریں تو لوگ ہنسی مذاق اڑائیں گے اور کہیں گے کہ یہ شخص غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔

تہذیب اور شائستگی سنتوں پر منحصر ہے

لیکن یاد رکھو! ساری تہذیب اور ساری شائستگی حضور اقدس ﷺ کی سنتوں پر منحصر ہے، جس چیز کو آپ ﷺ نے شائستگی قرار دے دیا۔ وہ ہے شائستگی، یہ نہیں ہے کہ جس چیز کو فیشن نے شائستگی قرار دے دیا، وہ شائستگی ہو، اس لیے یہ فیشن تو روز بدلتے ہیں۔ کل تک جو چیز ناشائستہ تھی، آج وہ چیز شائستہ بن گئی۔

کھڑے ہو کر کھانا بد تہذیبی ہے

مثلاً کھڑے ہو کر کھانا آج کل فیشن بن گیا ہے، ایک ہاتھ میں پلیٹ پکڑی ہے، دوسرے ہاتھ سے کھانا کھا رہے ہیں، اسی پلیٹ میں سالن بھی ہے، اسی میں روٹی بھی ہے، اسی میں سلاد ہے اور جس وقت دعوت میں کھانا شروع ہوتا ہے اس وقت چھینا جھٹی ہوتی ہے، اس میں کسی کو بھی ناشائستگی نظر نہیں آتی؟ اس لیے کہ فیشن نے آنکھیں اندھی کر دی ہیں، اس کے نتیجے میں اس کے اندر ناشائستگی نظر نہیں آتی۔ چنانچہ جب تک کھڑے ہو کر کھانے کا فیشن اور رواج نہیں چلا تھا اس وقت اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر کھانا کھاتا تو ساری دنیا اس کو یہی کہتی کہ یہ غیر مہذب اور بڑا ناشائستہ طریقہ ہے، صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی آرام سے بیٹھ کر کھائے۔

فیشن کو بنیاد مت بناؤ

لہذا فیشن کی بنیاد پر تو تہذیب اور شائستگی روز بدلتی ہے اور بدلنے والی چیز

کا کوئی بھروسہ اور کوئی اعتبار نہیں، اعتبار اس چیز کا ہے جس کو محمد رسول اللہ ﷺ نے سنت قرار دے دیا اور جس کے بارے میں آپ ﷺ نے بتا دیا کہ برکت اس میں ہے، اب اگر حضور ﷺ کی اتباع کی نیت سے یہ کام کر لو گے تو آخرت میں بھی اجر و ثواب اور دنیا میں بھی برکت حاصل ہوگی اور اگر معاذ اللہ! ناشائستہ سمجھ کر اس کو چھوڑ دو گے تو پھر تم اس کی برکتوں سے بھی محروم ہو جاؤ گے اور پھر یہ بے چینیاں تمہاری مقدر ہوں گی، محرومیاں تمہاری مقدر بن جائیں گی، گناہوں کی رغبت تمہارا مقدر ہوگی اور دن رات تمہارے دل میں ظلمت اور تاریکیاں پیدا ہوتی رہیں گی۔ بہر حال! بات لمبی ہوگئی، اس حدیث مبارک میں آپ ﷺ نے اس بات کی تاکید فرمائی کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹ لیا کرو تا کہ کھانے کی برکت حاصل ہو جائے۔

تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے

حضور اقدس ﷺ کی عام عادت یہ تھی کہ آپ عموماً تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے^(۱)، یعنی انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی، ان تینوں انگلیوں کو ملا کر نوالہ لیتے تھے، علماء کرام نے تین انگلیوں سے کھانے کی ایک حکمت تو یہ لکھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا زمانہ سادہ غذاؤں کا زمانہ تھا، آج کل کی طرح بہت لمبے چوڑے کھانے نہیں ہوتے تھے اور دوسری حکمت یہ لکھی ہے کہ جب تین انگلیوں سے کھانا کھائیں گے تو نوالہ چھوٹا بنے گا اور چھوٹے نوالے میں ایک فائدہ طبی طور پر یہ ہے کہ نوالہ جتنا چھوٹا ہوگا، اتنا ہی اس کے

(۱) صحیح مسلم ۱۶۰۵/۳ (۲۰۳۲) و سنن ابی داؤد ۳۶۶/۳ (۲۸۴۸)۔

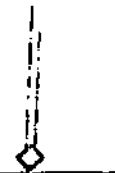
ہضم ہونے میں آسانی ہوگی، اس لیے کہ بڑا نوالہ پوری طرح چبے گا نہیں اور معدے میں جا کر نقصان پہنچائے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بڑا نوالہ لیا جائے گا تو اس سے انسان کی حرص کا اظہار ہوتا ہے اور چھوٹے نوالے میں قناعت کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے حضور اقدس ﷺ تین انگلیوں سے تناول فرماتے تھے، اگرچہ کبھی کبھار چار انگلیوں سے بھی کھایا کرتے تھے (۱)، بلکہ ایک روایت میں ایک واقعہ آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے پانچ انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا (۲)۔ جس کے ذریعے آپ ﷺ نے بتا دیا کہ تین کے بجائے چار اور پانچ انگلیوں سے کھانا بھی جائز ہے، لیکن عام طور پر آپ ﷺ کا معمول اور آپ کی سنت تین انگلیوں سے کھانے کی تھی۔

انگلیاں چاٹنے میں ترتیب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق دیکھیے کہ حضور اقدس ﷺ کی ایک ایک ادا کو ہمارے لیے اس طرح محفوظ کر کے چھوڑ گئے ہیں کہ ہمارے لیے اس کی نقل

(۱) الفوائد الشہیر بالغیلانیات لابی بکر الشافعی ۷۰۵/۲ (۹۶۱) طبع دار ابن الجوزی۔
وجامع للسانید لابن کثیر ۴/۴۸۳ (۵۶۱۹) معزوا الی الطبرانی۔ طبع دار خضر
بیروت۔ وقال للناوی فی "فیض القدیر" (۵/۱۹۶): (طب عن عامر بن ربیعۃ) قال
الزین العراقی: وروناہ عنہ فی الغیلانیات، وفیہ القاسم بن عبد اللہ العمري ہالک،
قال: وفی مصنف ابن ابی شیبہ عن الزہری مرسلًا: کان النبی ﷺ یأکل
بالخمس. (طبع للمکتبة التجاریة الکبریٰ مصر)۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲/۳۹۲ (۲۶۹۵۳) والحديث ذكره الحافظ ابن حجر في "فتح
الباری" ۵۷۸/۹ وعزاه الی ابن ابی شیبہ وسعيد بن منصور وسکت عنہ (طبع دار
المعرفة)



اتارنا اور اس کی اتباع آسان ہو جائے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیں یہ بتا دیا کہ آپ ﷺ کس ترتیب سے یہ تین انگلیاں چاٹا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ ان تین انگلیوں کو چاٹنے کی ترتیب یہ ہوتی تھی کہ پہلے بیچ کی انگلی، پھر شہادت کی انگلی اور پھر انگوٹھا^(۱)۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں مل کر بیٹھتے تو آپ ﷺ کی سنتوں کا تذکرہ کرتے اور ایک دوسرے کو ترغیب دیتے کہ ہمیں بھی اسی طرح کرنا چاہیے۔ اب اگر کوئی انگلیاں نہ چاٹے تو کوئی گناہ نہیں ہوگا، مگر سنت کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔

کب تک ہنسنے جانے سے ڈرو گے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر ہم لوگوں کے سامنے انگلیاں چاٹیں گے تو لوگ اس پر ہنسی مذاق اڑائیں گے اور ہمیں غیر مہذب اور ناشائستہ کہیں گے، تو یاد رکھیے! جب تک ایک مرتبہ خم ٹھوک کر، کمر مضبوط کر کے اس بات کا تہیہ نہیں کر لو گے کہ دنیا کے لوگ جو کہیں، کہا کریں۔ ہمیں تو حضور اقدس ﷺ کی سنت محبوب ہے، ہمیں تو اس پر عمل کرنا ہے۔ جب تک یہ فیصلہ نہیں کرو گے یاد رکھو! یہ دنیا تمہاری ہنسی مذاق اڑاتی رہے گی۔ مغربی قوموں کی نقالی کرتے کرتے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک اپنا سراپا ان کے سانچے میں ڈھال لیا، لباس پوشاک ان جیسا، رہن سہن ان جیسا، وضع قطع ان

(۱) للمعجم الاوسط للطبرانی ۱۸۰/۲ (۱۶۴۹) طبع دار الحرمین۔ وقال البیہقی فی "مجمع الزوائد" ۲۹/۵ (۷۹۴۱): رواه الطبرانی فی "الأوسط"، وفيه الحسين بن إبراهيم الأذني ومحمد بن كعب بن عجرة، ولم أهرقهما، وبقية رجاله ثقات۔ واخلق النبي لابی الشيخ ۲۲۷/۲ (۶۰۴)۔ طبع دار المسلم للنشر والتوزيع۔

جیسی، طریقے ان جیسے، تہذیب ان کی اختیار کر لی۔ ہر چیز میں ان کی نقالی کر کے دیکھ لی۔ اب یہ بتاؤ کہ کیا ان کی نظر میں تمہاری عزت ہوگئی؟ آج بھی وہ قوم تمہیں ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، تمہیں ذلیل سمجھتی ہے، روزانہ تمہاری پٹائی ہوتی ہے، تمہارے اوپر طمانچے لگتے ہیں، تمہیں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ تم نے ان کو خوش کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوڑ کر ان کے طریقے اختیار کر لیے ہیں، چنانچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے مقلد اور ہمارے نقال ہیں، اب تم ان کے سامنے کتنے ہی بن سنور کر چلے جاؤ، لیکن تم وقیانوس اور فنڈامینٹلسٹ (Fundamentalist) ہی رہو گے اور تمہارے اوپر یہی طعنہ لگے گا کہ یہ بنیاد پرست اور غیر مہذب ہیں، رجعت پسند ہیں۔

یہ طعنے انبیاء کی وراثت ہے

جب تک تم ایک مرتبہ کمر مضبوط کر کے یہ تہیہ نہیں کر لو گے کہ یہ لوگ طعنے دیتے ہیں تو دیا کریں، کیونکہ یہ طعنے تو حق کے راستے کے راہی کا زیور ہیں، جب انسان حق کے راستے پر چلتا ہے تو اس کو یہی طعنے ملا کرتے ہیں۔ ارے ہم کیا ہیں؟ ہمارے پیغمبروں کو یہی طعنے ملے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ

وَمَا تَرْسِكَ أَتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا لِنَابِدِي الرَّأْيِ (۱)

یہ کفار پیغمبروں سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ جو لوگ تمہاری

(۱) سورۃ ہود، آیت (۲۷)۔

اتباع کر رہے ہیں یہ بڑے ذلیل قسم کے لوگ ہیں، حقیر، ناشائستہ اور غیر مہذب لوگ ہیں۔ بہر حال! اگر تم مسلمان ہو، پیغمبروں کے امتی اور ان کے تابع ہو تو پھر جہاں اور چیزیں ان کی وراثت میں تمہیں حاصل ہوئی ہیں یہ طعنے بھی ان کی وراثت ہیں۔ آگے بڑھ کر ان طعنوں کو گلے لگاؤ اور اپنے لیے ان کو باعثِ فخر سمجھو کہ الحمد للہ! وہی طعنے جو انبیاءِ علیہم السلام کو دیے گئے تھے، ہمیں بھی دیے جا رہے ہیں یاد رکھو! جب تک یہ جذبہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت تک یہ ساری قومیں تمہارا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ اسد ملتانی مرحوم شاعر گزرے ہیں، انہوں نے بڑا اچھا شعر کہا ہے کہ۔

ہنے جانے سے جب تک تم ڈرو گے
زمانہ تم پر ہنستا ہی رہے گا

دیکھ لو! زمانہ ہنس رہا ہے، خدا کے لیے یہ پرواہ دل سے نکال دو کہ دنیا کیا کہے گی؟ بلکہ یہ دیکھو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ اس پر عمل کر کے دیکھو۔ ان شاء اللہ، دنیا سے عزت کراؤ گے، بالآخر مالِ کار عزت تمہاری ہوگی، کیونکہ عزت سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہے، کسی اور کی اتباع میں نہیں۔

اتباع سنت پر عظیم بشارت

اتباع سنت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس کے برابر کوئی بشارت ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ فرمایا کہ

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (۱)

یعنی اے نبی! آپ لوگوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے، تو میری اتباع کرو، میرے پیچھے چلو اور جب میرے پیچھے چلو گے اور میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ارے تم کیا اللہ تبارک تعالیٰ سے محبت کرو گے، تمہاری کیا حقیقت، تمہاری کیا مجال کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ سے محبت کر سکو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، بشرطیکہ تم محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کی اتباع کرنے لگو۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ جس عمل کو سرکارِ دو عالم ﷺ کی اتباع کی غرض سے اختیار کیا جائے، تو پھر جس وقت انسان وہ عمل کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، دیکھو یہ سنت ہے کہ جب آدمی بیت الخلاء جائے تو جانے سے پہلے یہ دعا پڑھے:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (۲)

اور داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں داخل کرے، تو جس وقت تم نے اس نیت سے بائیں پاؤں داخل کرتے ہو کہ یہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب ہو۔ اس لیے کہ اس وقت تم اللہ کے محبوب ﷺ کی سنت کی اتباع کر رہے ہو۔

(۱) سورة آل عمران آیت (۳۱)۔

(۲) صحیح البخاری ۱/۴۰ (۱۴۲) و صحیح مسلم ۱/۲۸۲ (۲۷۵)۔

اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنالیں گے

اسی طرح جس وقت تم اس نیت سے یہ انگلی چاٹ رہے ہو کہ یہ حضور اقدس سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنت ہے، اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کر رہے ہیں۔ ارے تم مخلوق کی طرف کیوں دیکھتے ہو کہ وہ محبت کر رہے ہیں یا نہیں؟ وہ اچھا سمجھ رہے ہیں یا نہیں؟ اس مخلوق کا خالق اور مالک جب تم سے محبت کر رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام بڑا اچھا ہے، پھر تمہیں کیا پرواہ کہ دوسرے پسند کریں یا نہ کریں۔ اس لیے سنتوں کے ان طریقوں کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ ان کو اپنائیں اور ان طعنوں کی پرواہ نہ کریں۔ اگر سنت پر پہلے سے عمل نہیں ہے تو اب عمل شروع کر دیں۔

لوگ کہتے ہیں کہ آج کل ایسا زمانہ آ گیا ہے کہ اس میں دین پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے۔ ارے بھائی! ہم نے اپنے ذہن سے مشکل بنا رکھا ہے، ورنہ بتائیے کہ اس انگلیاں چاٹنے کی سنت پر عمل کرنے میں کیا دشواری ہے؟ کون تمہارا ہاتھ روک رہا ہے؟ تمہارے مال و دولت میں یا راحت و آرام میں اس سنت پر عمل کرنے سے کون سا خلل آرہا ہے؟ جب ایک سنت کو اختیار کر لیا تو اللہ کی محبوبیت تمہیں حاصل ہوگی اور اس سنت کی برکات حاصل ہوگی۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ ایک سنت کے صلے میں تمہیں نواز دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

انگلیاں دوسرے کو بھی چٹوانا جائز ہے

اس حدیث میں ایک اختیار اور دے دیا، فرمایا کہ ”أَوْ يَلْعَقُهَا“ یعنی اگر

انگلیاں خود نہیں چاٹے تو کسی اور کو چٹادے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اس کا منشا یہ ہے کہ بعض اوقات ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ آدمی انگلیاں چاٹنے پر قادر نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کسی اور کو چٹادے۔ مثلاً بچے کو چٹادے یا لمبی کو چٹادے، کسی پرندے کو چٹادے، مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رزق ضائع نہ ہو۔ اب اگر اس کو جا کر دھو ڈالو گے تو وہ رزق ضائع ہو جائے گا اور مخلوق کو چٹادو تا کہ اس کو بھی برکت حاصل ہو جائے۔

کھانے کے بعد برتن چاٹنا

”عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ أمر بلعق الاصابع والصحفة وقال: إنكم لا تدرّون في أي طعامكم البركة“ (۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ نے انگلیاں چاٹنے اور پیالہ چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟

اس حدیث میں ایک ادب اور بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ کھانے کے بعد انگلیاں بھی چاٹے اور جس برتن میں کھا رہا ہے۔ اس برتن کو بھی چاٹ کر صاف کر لے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری نہ ہو، ویسے برتن میں اتنا ہی سامن نکالنا چاہیے، جتنا کھا سکنے کی توقع ہو، زیادہ نہ نکالے، تاکہ بعد میں بچے نہیں، لیکن

(۱) صحیح مسلم ۱۶۰۷۲ (۲۰۲۲) و مسند الحمیدی ۲/۲۲۵ (۱۲۷۰) و مسند احمد ۲۳/۲۸۹ (۱۰۲۲۴)۔

اگر بالفرض کھانا پلیٹ میں زیادہ نکل آیا اور کھانا بچ گیا اور اب کھانے کی گنجائش باقی نہ رہی، ایسے موقع پر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پلیٹ میں جتنا سائن نکال لیا ہے، اس سب کو کھا کر ختم کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ بعض لوگ اسے فرض واجب سمجھنے لگے ہیں چاہے بعد میں ہیضہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یاد رکھیے! شریعت میں یہ حکم نہیں کہ ضرور پورا کھانا کھاؤ، بلکہ شریعت کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اول تو زیادہ کھانا نکالو ہی نہیں، لیکن اگر زیادہ کھانا نکل آئے تو اس کو چھوڑ دینے کی گنجائش ہے، لیکن اس کو اس طرح چھوڑو کہ وہ چھوڑا ہوا کھانا پیالے کے ایک طرف ہو، پورے پیالے میں پھیلا ہوا نہ ہو، پورا پیالہ گندا اور سنا ہوا نہ ہو، لہذا اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے سامنے سے کھا کر اس حصے کو صاف کر لو، تاکہ آپ کا بچا ہوا کھانا کسی اور کو دیا جائے تو اس کو گھن نہ آئے، اس کو پریشانی نہ ہو۔ اسلام کی صحیح تعلیم یہ ہے۔

ورنہ چچے کو چاٹ لے

بعض اوقات آدمی ہاتھ سے کھانا نہیں کھاتا، بلکہ چچوں سے کھانا کھاتا ہے، اس وقت انگلیوں کے چاٹنے کی سنت پر کس طرح عمل کرے؟ اس لیے کہ انگلیوں پر کھانا لگا ہی نہیں۔ تو بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص چچے سے کھا رہا ہے تو چچے پر جو کھانا لگا ہوا ہے، اس کو اس نیت سے چاٹ لے کر نبی کریم سرورِ دو عالم ﷺ نے یہ فرمایا کہ معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟ اب کھانا میری انگلیوں پر لگا نہیں ہے۔ مگر چچوں پر لگا ہوا ہے۔ اس کو صاف کر لے، تو امید ہے کہ ان شاء اللہ، اس سنت کی فضیلت اس میں بھی حاصل ہو جائے گی۔

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا چاہیے

”عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أن رسول الله ﷺ قال: «إذا وقعت لقمة أحدكم فليأخذها فليمط ما كان بها من اذى وليأكلها، ولا يدعها للشيطان، ولا يمسح يده بالمنديل بل حتى يلعق أصابعه، فإنه لا يدري في أي طعامه البركة» (۱)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر کھانے کے دوران کسی شخص کا لقمہ گر جائے، تو اس کو چاہیے کہ وہ اس لقمے کو اٹھالے۔ اگر اس لقمہ پر کوئی مٹی وغیرہ لگ گئی ہے تو اس کو صاف کر لے اور پھر اس کو کھالے اور شیطان کے لیے اس کو نہ چھوڑے اور اپنا ہاتھ رومال سے صاف نہ کرے، جب تک کہ اپنی انگلیاں نہ چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ برکت کھانے کے کس حصے میں ہے۔

اس حدیث میں یہ ادب بتا دیا کہ بعض اوقات کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ یا کوئی چیز گر جائے تو اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا چاہیے، بعض اوقات انسان اس کو اٹھا کر کھاتے ہوئے شرماتا ہے اور جھجکتا ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) صحیح مسلم ۱۶۰۶/۳ (۲۰۳۳) و مسند الحمیدی ۲/۳۲۵ (۱۲۷۰) و مسند احمد ۲۳/۲۸۹ (۱۵۲۲)۔

نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی عطا ہے، اس کی ناقدری نہ کرو، اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لو۔ البتہ اگر وہ لقمہ اس طرح گر گیا کہ بالکل ملوث یا ناپاک ہو گیا اور گندہ ہو گیا اور اب اس کو صاف کر کے کھانا ممکن نہیں ہے تو دوسری بات ہے، مجبوری ہے، لیکن اس کو اٹھا کر صاف کر کے کھایا جاسکتا ہو، اس وقت تک نہ چھوڑو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے، اس کی قدر اور تعظیم واجب ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے رزق کے چھوٹے حصوں کی قدر اور تعظیم نہیں کرو گے اس وقت تک تمہیں رزق کی برکت حاصل نہیں ہوگی۔

اس میں بھی وہی بات ہے کہ گرے ہوئے لقمے کو اٹھا کر کھانا آج کل کی تہذیب اور اینٹیکٹیٹ کے خلاف ہے، اس لیے آدمی اس سے شرماتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اس کو اٹھاؤں گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ بڑا ندیدہ ہے، لیکن اس پر ایک واقعہ سن لیجئے۔

ان عجمیوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا، انہوں نے وہ لقمہ زمین سے اٹھا کر اسے صاف کیا پھر کھا لیا، اس مجلس میں کچھ عجمی دہقان بھی موجود تھے، تو کسی نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ دہقان لوگ آپ کے زمین سے لقمہ اٹھانے پر ایک دوسرے کو اشارے کر رہے ہیں جبکہ دوسرا کھانا آپ کے سامنے موجود ہے، اس پر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إني لم أكن لأدع ما سمعت من رسول الله ﷺ
لهذه الأعاجم“ (۱)

میں نے جو بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اسے
میں ان عجیبوں کی وجہ سے چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ رسول کریم ﷺ نے یہ تعلیم دی
ہے کہ کھانا کھاتے ہوئے اگر کسی کا لقمہ گر جائے تو وہ اٹھا کر اسے صاف کر لے
اور کھالے، حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا حاصل یہ تھا کہ دیکھنے والے
اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، عزت کریں یا مذاق اڑائیں، میں رسول کریم ﷺ
کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔ اب بتائیے کہ عزت ان حضرات نے کرائی یا آج ہم
غیروں کی خاطر سنتیں چھوڑ کر عزت کردار ہے ہیں؟ درحقیقت ان حضرات نے
نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل کر کے قیصر و کسریٰ کا غرور خاک میں ملایا۔

حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے لیے ایران پہنچے تو کسریٰ
کے پہ سالار رتم سے مذاکرات کی بات طے ہوئی، رتم نے اپنے سرداروں
سے مشورے کے بعد یہ طے کیا کہ جب ان کا کوئی ایلچی آئے تو اپنے لباس،

(۱) سنن ابن ماجہ ۲۱/۵ (۳۲۷۸) وقال البوصيري في "مصباح الزجاجة" (۱۲/۴): هذا
إسناد رجاله ثقات، غير أنه منقطع، قال أبو حاتم: الحسن لم يسمع من معقل بن يسار،
انتهى، رواه مسدد في مسنده عن يزيد بن زريع بإسناده ومثله، وله شاهد في صحيح
مسلم وغيره من حديث جابر بن عبد الله، وأنس بن مالك.

ہتھیاروں اور ماحول کی شان و شوکت سے ان کو مرعوب کرنے کی کوشش کریں، چنانچہ رستم کے لیے سونے کا تخت بچھایا گیا اور ایسے لباس پہنائے گئے اور ایسے قالین بچھائے گئے اور ایسے تکیے رکھے گئے جو سونے سے بنے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے حضرت ربیع بن عامر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹے سے گھوڑے پر سوار معمولی لباس میں تشریف لائے، جبکہ ان کی تلوار ایک بوسیدہ کپڑے میں لپیٹی ہوئی تھی، نیزے پر اونٹ کی گردن کا غلاف چڑھا ہوا تھا اور گائے کی کھال کی ڈھال ان کے ہاتھ میں تھی جس پر سرخ رنگ کا چمڑا چڑھا ہوا تھا، اس کے علاوہ تیر کمان بھی ان کے ساتھ تھا۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ سمجھ گئے تھے کہ یہ ہمیں اپنی شان و شوکت سے مرعوب کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے لباسوں اور ہتھیاروں کی توہین مقصود ہے، تو جب وہ ان کے بچھائے ہوئے فرش کے قریب پہنچے تو اپنے گھوڑے سمیت اس طرح داخل ہوئے کہ اپنے نیزے پر سہارا لیے ہوئے تھے اور نیزے کی اٹی قالینوں کو چھو رہی تھی۔ رستم کے پاس پہنچ کر حضرت ربیع رضی اللہ عنہ زمین پر بیٹھ گئے اور نیزہ قالین پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ ہم تمہاری اس زیب وزینت پر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔

جب مذاکرات کے بعد باہر نکلے تو لوگ ان کے ہتھیاروں کو معمولی سمجھتے ہوئے گویا زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے کہ یہ ہیں وہ ہتھیار جن سے تم ایران فتح کرنے نکلے ہو؟ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا تم ان ہتھیاروں کو واقعی دیکھنا چاہتے ہو؟ اور یہ کہہ کر اپنی تلوار بوسیدہ کپڑے سے نکالی، وہ ایک شعلہ کی طرح چمک رہی تھی، پھر فرمایا کہ تم بھی اپنی ڈھال سامنے رکھو اور میں اپنی ڈھال سامنے رکھتا ہوں اور دونوں پر تیر مار کر دیکھتے ہیں، انہوں

نے حضرت ربیع بن ریحہؓ کی ڈھال پر تیر چلایا تو اس کا کچھ نہ بگڑا اور حضرت ربیع بن ریحہؓ نے ان کی شاندار ڈھال پر تیر چلایا تو اسے پھاڑ کر رکھ دیا، پھر فرمایا: اے اہل فارس! تم نے کھانے پینے اور لباس میں عزت سمجھی ہے، لہذا اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور ہماری نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت ربیع بن ریحہؓ کے بعد حضرت حذیفہ بن محسن اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بھی اسی شان سے دربار میں تشریف لے گئے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی عظمت تھی اس کے مقابلے میں وہ کسی بھی طور طریقے کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں، آپ کی سنتوں کی تعمیل میں، ان حضرات صحابہ نے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا۔

مذاق اڑانے کے ڈر سے سنت چھوڑنا کب جائز ہے؟

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی سنت ایسی ہے جس کا ترک بھی جائز ہے اور اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر اس سنت پر عمل کیا گیا تو کچھ مسلمان جو بے فکر اور آزاد خیال ہیں وہ اس سنت کا مذاق اڑا کر کفر و ارتداد میں مبتلا ہوں گے، تو ایسے موقع پر اس سنت پر عمل چھوڑ دے تو یہ جائز ہے۔ مثلاً زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے قریب تر ہے، لیکن اگر آپ کسی وقت ہوٹل یا

(۱) تاریخ طبری ۳/۵۱۸ تا ۵۲۱ طبع دار التراث۔ بیروت۔ و المنتظم فی تاریخ اللوگ والامم لابن الجوزی ۴/۱۶۳ تا ۱۶۸۔

ریسٹورنٹ میں کھانے کے لیے چلے گئے، وہاں کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اب آپ نے وہاں جا کر یہ سوچا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ وہیں پر آپ زمین پر رومال بچھا کر بیٹھ گئے، تو اس صورت میں اگر سنت کی توہین اور تضحیک کا اندیشہ ہو اور اس سے لوگوں کے کفر اور ارتداد میں جتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اس وقت آدمی اس سنت کو چھوڑ دے اور کرسی پر بیٹھ کر کھالے۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب اس سنت کو چھوڑنا جائز ہو، لیکن جہاں اس سنت کو چھوڑنا جائز اور مباح نہ ہو، وہاں کسی کے مذاق اڑانے کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا جائز نہیں۔ دوسرا یہ کہ مسلمان کی بات اور ہے، کافر کی بات اور ہے، اس لیے کہ مسلمان کے اندر تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ سنت کا مذاق اڑانے کے نتیجے میں کافر ہو جائے گا، لیکن اگر کافروں کا مجمع ہے تو وہ پہلے ہی سے کافر ہیں، ان کا مذاق اڑانے سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ لہذا وہاں سنت پر عمل کو چھوڑنا درست نہیں ہوگا۔

کھانے کے وقت اگر کوئی مہمان آجائے تو

وعن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: «طعام الواحد يكفي الاثنين، وطعام الاثنين يكفي الاربعة، وطعام الاربعة يكفي الثمانية» (۱)

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۶۳۰ (۲۰۵۹) و مسند احمد ۲/۱۳۰ (۱۶۲۲)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا کہ اگر تم کھانے بیٹھے اور اس وقت کوئی مہمان یا ضرورت مند آ گیا تو اس مہمان کو یا اس ضرورت مند کو صرف اس وجہ سے واپس مت لوٹاؤ کہ کھانا تو ہم نے ایک ہی آدمی کا بنایا تھا، اگر اس مہمان کو یا ضرورت مند کو کھانے میں شریک کر لیا تو کھانے میں کمی واقع ہو جائے گی، بلکہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے بھی کافی ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت مند کو واپس مت لوٹاؤ، بلکہ اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کھانے میں برکت عطا فرمائیں گے اور جب ایک کا کھانا دو کے لیے کافی ہو جاتا ہے تو دو کا کھانا چار کے لیے، اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

سائل کو ڈانٹ کر مت بھگاؤ

ہمارے یہاں یہ عجیب رواج پڑ گیا ہے کہ مہمان اسی کو سمجھا جاتا ہے جو ہمارے ہم پلہ ہو یا جس سے شناسائی ہو، دوستی ہو یا عزیز قریبی رشتہ دار ہو اور وہ اپنے ہم پلہ اور اپنے اٹلیٹس کا ہو، وہ تو حقیقت میں مہمان ہے اور جو بے چارہ غریب اور مسکین آجائے تو کوئی شخص اس کو مہمان نہیں مانتا، بلکہ اس کو بھکاری



سمجھا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ یہ مانگنے والا آگیا، حالانکہ حقیقت میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا مہمان ہے۔ اس کا اکرام کرنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے، لہذا اگر کھانے کے وقت ایسا مہمان آجائے تو اس کو بھی کھانے میں شریک کر لو، اس کو واپس مت کرو۔ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہیے کہ اگر کھانے کے وقت سائل آجائے تو اس کو واپس لوٹانا اچھی بات نہیں، اس کو کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے اور اس سے تو ہر حال میں پرہیز کرنا چاہیے کہ اس کو ڈانٹ کر بھگا دیا جائے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۱)

سائل کو جھڑکو نہیں۔

اس لیے کہ حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ جھڑکنے کی نوبت نہ آئے، اس لیے بعض اوقات آدمی اس کے اندر حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جس کے نتیجے میں بڑے خراب حالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

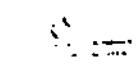
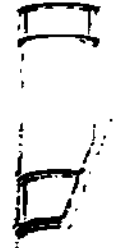
ایک عبرت آموز واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک صاحب بڑے دولت مند تھے، ایک مرتبہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، کھانا بھی اچھا بنا ہوا تھا۔ اس لیے بہت شوق و ذوق سے کھانا کھانے کے لیے بیٹھے، اتنے میں ایک سائل دروازے پر آگیا، اب کھانے کے دوران سائل کا آنا ان کو ناگوار ہوا، چنانچہ انہوں نے اس سائل کو ڈانٹ ڈپٹ کر ذلیل کر کے

(۱) سورة الضحیٰ آیت (۱۰)۔

باہر نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بعض اوقات انسان کا ایک عمل اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد میاں بیوی میں ان بن شروع ہو گئی، لڑائی جھگڑے رہنے لگے، یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آ گئی اور اس نے طلاق دے دی۔ بیوی نے اپنے میکے میں آ کر عدت گزارنی اور عدت کے بعد کسی اور شخص سے اس کا نکاح ہو گیا، وہ بھی ایک دولت مند آدمی تھا، پھر وہ ایک دن اپنے اس دوسرے شوہر کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا، چنانچہ بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آ چکا ہے۔ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل نہ ہو جائے۔ اس لیے میں پہلے اس سائل کو کچھ دے دوں۔ شوہر نے کہا دے آؤ، جب وہ دینے گئی تو اس نے دیکھا کہ وہ سائل جو دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ اس کا پہلا شوہر تھا۔

چنانچہ وہ حیران رہ گئی اور واپس آ کر اپنے شوہر کو بتایا کہ آج میں نے عجیب منظر دیکھا کہ یہ سائل وہ میرا پہلا شوہر ہے جو بہت دولت مند تھا۔ میں ایک دن اس کے ساتھ اسی طرح بیٹھی کھانا کھا رہی تھی کہ اتنے میں دروازے پر ایک سائل آ گیا اور اس نے اس کو جھڑک کر بھگا دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں اب اس کا یہ حال ہو گیا، اس شوہر نے کہا کہ میں تمہیں اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں کہ وہ سائل جو تمہارے شوہر کے پاس آیا تھا وہ درحقیقت میں ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دولت دوسرے شوہر کو عطا فرمادی اور اس کا فقر اس کو دے دیا، اللہ تعالیٰ بڑے وقت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا:



اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ (۱)

اے اللہ! اچھی حالت کے بعد بری حالت سے محفوظ فرما۔

بہر حال! کسی بھی سائل کو ڈانٹنے ڈپٹنے سے حتی الامکان پرہیز کرو، البتہ بعض اوقات ایسا موقع آجاتا ہے کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن حتی الامکان اس بات کی کوشش کرو کہ ڈانٹنے کی ضرورت پیش نہ آئے، بلکہ کچھ دے کر رخصت کر دو۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کھانے کی مقدار کو پتھر کی لکیر مت بناؤ کہ جتنا کھانے کا معمول ہے روزانہ اتنا ہی کھانا ضروری ہے، بلکہ اگر کبھی کسی وقت کچھ کمی کا موقع آجائے تو اس کی بھی گنجائش رکھو، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے اور دو کا کھانا چار کے لیے اور چار کا کھانا آٹھ کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

بہر حال! کھانے کی تقریباً اکثر سنتوں کا بیان ہو چکا، اگر ان سنتوں پر عمل نہیں ہے، تو آج ہی سے اللہ کے نام سے ان پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیں۔ یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نورانیت، روحانیت اور دوسرے عجیب و غریب فوائد اتباع سنت میں رکھے ہیں، وہ ان شاء اللہ ان چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کرنے

(۱) صحیح مسلم ۲۷۹/۲ (۱۳۴۲) و سنن الترمذی ۴۳۸/۵ (۲۴۲۹) و سنن النسائی ۲۷۲/۸

سے بھی حاصل ہو جائیں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بار بار سننے کا ہے، فرماتے ہیں کہ

”اللہ تعالیٰ نے مجھے علوم ظاہرہ سے سرفراز فرمایا، حدیث پڑھی، تفسیر پڑھی، فقہ پڑھی، گویا تمام علوم ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، اس میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال بخشا، اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ صوفیاء کرام کیا کہتے ہیں؟ ان کے پاس کیا علوم ہیں؟ چنانچہ ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے علوم حاصل کیے، صوفیاء کرام کے جو چار سلسلے ہیں۔ سہروردیہ، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، ان سب کے بارے میں دل میں یہ جستجو پیدا ہوئی کہ کون سا سلسلہ کیا طریقہ تعلیم کرتا ہے؟ سب کی سیر کی اور چاروں سلسلوں میں جتنے اعمال، جتنے اشغال، جتنے اذکار، جتنے مراقبات، جتنے چلے ہیں۔ وہ سب انجام دیے، سب کچھ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا مقام بخشا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے مجھے خلعت پہنایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اتنا اونچا مقام بخشا کہ اصل کو پہنچا، پھر اصل سے ظل کو پہنچا، حتیٰ کہ میں ایسے مقام پر پہنچا کہ اگر اس کو زبان سے ظاہر کروں تو علماء ظاہر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں، علماء باطن مجھ پر زندقہ ہونے کا فتویٰ لگا دیں، لیکن میں کیا کروں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعتاً اپنے فضل سے یہ سب مقامات عطا

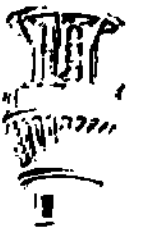
فرمائے۔ اب یہ سارے مقامات حاصل کرنے کے بعد ایک دعا کرتا ہوں، اور جو شخص اس دعا پر آمین کہہ دے گا ان شاء اللہ اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی: وہ دعا یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع کی توفیق عطا فرما، آمین۔ اے اللہ! مجھے نبی کریم ﷺ کی سنت پر زندہ رکھ۔ آمین۔ اے اللہ! مجھے نبی کریم ﷺ کی سنت پر ہی موت عطا فرما۔ آمین۔

سنتوں پر عمل کریں

بہر حال! تمام مقامات کی سیر کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ یہی ہے کہ جو کچھ ملے گا وہ نبی کریم ﷺ دو عالم ﷺ کی سنت کی اتباع میں ملے گا۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تو سارے مقامات کی سیر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا، تم پہلے دن پہنچ جاؤ، پہلے ہی دن اس بات کا ارادہ کر لو کہ نبی کریم ﷺ کی جتنی سنتیں ہیں۔ ان پر عمل کروں گا، پھر اس کی برکت اور نورانیت کو دیکھو گے، پھر زندگی کا لطف دیکھو۔ یاد رکھو! زندگی کا لطف فسق و فجور میں نہیں ہے، گناہوں میں نہیں ہے، اس زندگی کا لطف ان لوگوں سے پوچھو جنہوں نے اپنی زندگی کو نبی کریم ﷺ کی سنتوں میں ڈھال لیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کا جو لطف اور اس کا جو کیف اور لذت ہمیں عطا فرمائی ہے۔ اگر ان دنیا کے بادشاہوں کو پتہ لگ جائے تو تلواریں سونت کر ہمارے مقابلے کے لیے آجائیں۔ تاکہ ان کو یہ لذت حاصل

ہو جائے۔ ایسی لذت اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، لیکن کوئی اس پر عمل کر کے دیکھے، اس راہ پر چل کر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہم سب کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





رزق کا صحیح استعمال

(ذکر و فکر ص ۷۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رزق کا صحیح استعمال



حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنے ملنے والوں میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف تھے) دارالعلوم دیوبند کے ان اساتذہ میں سے تھے جو شہرت اور نام و نمود سے ہمیشہ کوسوں دور رہے، عمر بھر اسلامی علوم کی تدریس کی خدمات انجام دی اور ہزار ہا طلبہ کو اپنے علم و فضل سے سیراب کیا، آج برصغیر ہند و پاک کے نامور علماء دیوبند میں شاید کوئی نہ ہو جو ان کا بالواسطہ شاگرد نہ ہو، انہوں نے متعدد چھوٹی بڑی تصانیف بھی چھوڑی ہیں، موضوعات بھی اچھوتے اور زبان بھی اتنی شگفتہ کہ آج سے سو سال پہلے کی تحریروں میں ایسی شگفتگی کم ملتی ہے۔

علم و فضل کے مقام بلند کے باوجود سادگی، تواضع اور مسکنت کا عالم یہ تھا کہ دیکھنے والا ان کے سراپا میں اس مقام بلند کا اندازہ کر ہی نہیں سکتا تھا، وہ دیوبند (ضلع سہارنپور) کے ایک چھوٹے سے محلے میں مقیم تھے اور کچے مکان میں رہتے تھے۔ ہر سال جب برسات کا موسم آتا تو یہ کچا مکان جگہ جگہ سے

گر جاتا اور برسات گزرنے کے بعد کافی وقت اور پیسہ اس کی مرمت پر خرچ کرنا پڑتا تھا۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے، لیکن خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اپنے آپ سے بہت بے تکلف بھی بنایا ہوا تھا، ایک دن انہوں نے حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کو ہر سال اپنے مکان کی مرمت کرانی پڑتی ہے، جس میں پریشانی بھی ہوتی ہے، وقت بھی لگتا ہے اور خرچ بھی خاصا ہوتا ہے، اگر آپ ایک مرتبہ مکان کو پکا بنوالیں تو اس روز روز کی پریشانی سے نجات مل جائے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں ظرافت بھی بہت تھی، انہوں نے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تجویز سن کر شروع میں بڑی تعریف و توصیف اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ”واہ مفتی صاحب واہ! آپ نے کیسی عقل کی بات کہی، ہم نے ساری عمر گزار دی، بوڑھے ہو گئے اور اب تک ہماری عقل میں یہ بات نہیں آئی۔“

والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات اتنی مرتبہ فرمائی کہ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا، لیکن بالآخر میں نے عرض کیا کہ ”حضرت! میرا مقصد تو وہ حکمت معلوم کرنا تھا جس کی وجہ سے آپ نے مالی استطاعت کے باوجود اب تک مکان کو پکا نہیں بنوایا، اب مجھے مزید شرمندہ کرنے کے بجائے حقیقی وجہ بیان فرمادیجئے۔“

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شروع میں طرح دیتے رہے، لیکن جب والد



صاحب رحمہ اللہ نے زیادہ اصرار کیا تو والد صاحب رحمہ اللہ کا ہاتھ پکڑ کر مکان کے دروازے تک لے آئے اور فرمایا: ”دیکھو اس گلی کے دائیں بائیں دونوں طرف دیکھو، گلی کے اس سرے سے اُس سرے تک کیا کوئی مکان تمہیں پکا نظر آتا ہے؟“ والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا نہیں، اس پر میاں صاحب نے فرمایا کہ بتاؤ، جب میرے سارے پڑوسیوں کے مکان کچے ہیں، تو پوری گلی میں تنہا میں اپنا مکان پکا بنا کر کیا اچھا لگوں گا؟ اور اتنی استطاعت مجھ میں نہیں ہے کہ میں اپنے سارے پڑوسیوں کے مکانات پکے بنوا سکوں، اس لیے میں اپنا مکان بھی پکا نہیں بنواتا کہ اپنے پڑوسیوں کے مقابلے میں اپنی کوئی امتیازی شان بنانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

یہ تھے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ، ان کا یہ واقعہ تو میں نے ان کے مزاج و مذاق کا تھوڑا سا تعارف کرانے کے لیے بیان کر دیا جس سے ان کی اس عظمتِ کردار کا تھوڑا سا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو مادہ پرستی کے اس دور میں انسانی تصور سے بھی ماوراء معلوم ہوتا ہے، لیکن دراصل میں ان کا ایک اور واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔

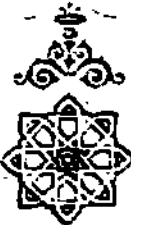
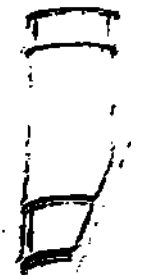
ایک مرتبہ میرے والد ماجد رحمہ اللہ ان کے گھر ملاقات کے لیے گئے ہوئے تھے، کھانے کا وقت آ گیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والد صاحب رحمہ اللہ دسترخوان سمیٹنے لگے، تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا: ”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“ والد صاحب رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ ”حضرت دسترخوان سمیٹ رہا ہوں تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں“ میاں صاحب بولے ”کیا آپ کو دسترخوان

سمیٹا آتا ہے؟“ والد صاحب نے کہا کہ ”کیا دسترخوان سمیٹنا بھی کوئی فن ہے جسے سیکھنے کی ضرورت ہو؟“ میاں صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا: ”جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے اور اسی لیے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یا نہیں؟“۔ والد صاحب رحمہ اللہ نے درخواست کی کہ ”حضرت! پھر تو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجیے“ میاں صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آئیے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔ یہ کہہ کر انہوں نے دسترخوان پر بچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انہیں الگ رکھا، پھر روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو برادے کی سی شکل میں پڑے رہ گئے تھے، انہیں چُن چُن کر الگ اکٹھا کر لیا، پھر فرمایا کہ ”میں نے ان میں سے ہر چیز کی الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ ایک بلی آتی ہے اور یہ بوٹیاں کھا لیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے اور وہاں سے آکر یہ ہڈیاں اٹھا لیتا ہے اور روٹی کے یہ بڑے ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پرندے آتے ہیں اور یہ ٹکڑے ان کے کام آجاتے ہیں اور یہ جو روٹی کے بہت چھوٹے ٹکڑے ہیں، یہ میں چبوتیوں کے کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے۔“ پھر فرمایا کہ

”یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ

اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہیے“

یہ تھا ایک حقیقی اسلامی معاشرے کا وہ مزاج جو قرآن و سنت کے دلکش رنگ میں ڈھلا ہوا تھا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے حساب رزق عطا فرمایا ہوا ہے، اس لیے اس کے چھوٹے چھوٹے اور تھوڑے تھوڑے حصوں کی ہمیں نہ صرف یہ



کہ قدر نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ہم اس کی بے حرمتی تک پر آمادہ ہو جاتے ہیں، لیکن اگر کسی وقت خدا نخواستہ اسی رزق کی قلت پیدا ہو جائے تو پتہ چلے کہ ایک ایک ذرے کی کیا قدر و قیمت ہے؟

کہنے کو سبھی یہ کہتے ہیں کہ رزق کو ضائع نہیں کرنا چاہیے، اس کی قدر کرنی چاہیے، لیکن ہماری آج کی زندگی میں یہ بات محض ایک نظریہ ہو کر رہ گئی ہے، جس کا عمل کی دنیا میں کوئی نشان نظر نہیں آتا، ہمارے گھروں میں دعوتوں کے مواقع پر اور ہوشوں میں جتنا رزق روزانہ ضائع ہوتا ہے، اگر اس کا مجموعی اندازہ لگایا جائے تو یقیناً وہ سینکڑوں خاندانوں کا پیٹ بھرتے کے لیے کافی ہو سکتا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ جس ماحول میں نہ جانے کتنے گھرانے معمولی غذا کو ترس رہے ہوتے ہیں، وہاں منوں کے حساب سے اعلیٰ ترین غذائیں کوڑے کرکٹ پر نظر آتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی بار ایک سرکاری عشاءے میں شریک ہوا تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ڈرائیوروں کے لیے کھانے کا انتظام ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ میں نے بر بنائے احتیاط اپنے ڈرائیور کو کھانے کے پیسے دے کر یہ کہہ دیا تھا کہ اگر یہاں کھانے کا انتظام نہ ہو تو وہ کسی ہوٹل میں کھانا کھالے۔ جب میں اندر پہنچا تو میری میز پر ایک اعلیٰ سرکاری افسر میرے ہم نشین تھے اور وہ ملک کے غریبوں کی حالت زار پر بڑا پُروردہ لیکچر دے رہے تھے، اس لیکچر میں عوام کی غربت و افلاس پر رنج و غم کا اظہار بھی تھا، اپنے معاشی نظام کی برائیاں بھی تھیں، سوشلسٹ ممالک کی تعریف بھی تھی اور اپنے ملک کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سوشلزم کے مخالف عناصر پر تنقید بھی تھی، جب ان کی گفتگو کا یہ موضوع ختم ہو گیا اور کھانا شروع ہونے پر مختلف باتیں شروع ہو گئیں تو میں نے انہی صاحب

سے عرض کیا کہ ”ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ڈرائیوروں کے لیے کھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے“ کہنے لگے، جی ہاں اس سطح کی دعوتوں میں عموماً یہ انتظام نہیں ہوتا، میں نے عرض کیا کہ، ”مجھے تو یہ بات بہت بری لگتی ہے کہ ہم یہاں کھانا کھا رہے ہوں اور ہمارے ڈرائیور باہر بھوکے کھڑے ہوں“، اس پر انہوں نے خاصی بے پروائی سے جواب دیا کہ ”جی ہاں! یہ بات ہے تو تکلیف دہ، مگر اتنے سارے ڈرائیوروں کا انتظام بھی تو مشکل ہے اور یہ لوگ اس بات کے عادی ہیں، وہ بعد میں گھر جا کر کھانا کھا لیتے ہیں۔“

اسی دعوت کے اختتام پر میں نے پلیٹوں اور ڈونگوں میں بچے ہوئے کھانے کا اندازہ لگایا تو میرا غالب گمان یہ تھا کہ اس میں تھوڑا سا اضافہ کر کے وہ کھانا تمام ڈرائیوروں کے لیے کافی ہو سکتا تھا، کھانے کے بعد عشاءِیہ میں تقریروں کا بھی سلسلہ تھا اور وہ اتنا دراز ہوا کہ ہم گیارہ بجے کے بعد وہاں سے روانہ ہو سکے، راستے میں میں نے اپنے ڈرائیور سے پوچھا کہ تمہارے کھانے کا کیا ہوا؟ اس نے بتایا کہ میں نے اور میرے بعض ساتھیوں نے ایک قریب کے ہوٹل سے کھانا کھالیا تھا۔ پھر وہ خود ہی کہنے لگا کہ البتہ بعض ڈرائیوروں کے پاس کھانے کے پیسے نہیں تھے، وہ ابھی تک بھوکے ہیں، مثال کے طور پر اس نے کئی ڈرائیوروں کا ذکر کیا اور کہنے لگا کہ ”وہ اب اپنے صاحب کو گھر پہنچا کر بس میں اپنے گھر جائیں گے اور بارہ ایک بجے پہنچ کر کھانا کھائیں گے۔“

ایک طرف تو اپنے متعلقین اور ملازمین کے ساتھ (جو درحقیقت گھر ہی کے ایک فرد بن جاتے ہیں) ہماری بے حسی کا عالم یہ ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے رزق کی ناقدری اور اضاعت کا حال یہ ہے کہ سیروں کے حساب سے کھانا ہم اپنی پلیٹوں میں اس طرح بچا دیتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے کے لیے قابل

استعمال نہیں رہتا اور کوڑے کے ڈھیر میں تبدیل ہو جاتا ہے، بالخصوص ایسی بونے دعوتوں میں جہاں کھانا ایک میز سے اٹھا کر خود لے جانا پڑتا ہے، عموماً ایسے لوگ ایک ہی دفعہ میں زیادہ سے زیادہ کھانا اٹھا کر محض اس لیے بیجاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت دوبارہ کھانا نہ لانا پڑے، لیکن ذرا سی زحمت سے بچنے کے لیے کھانے کی ایک بڑی مقدار بالکل ضائع ہو جاتی ہے۔

ایک طرف میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا واقعے کا تصور کیجئے کہ انہیں انسانوں سے گزر کر کتے بلیوں اور پرندوں اور چیونٹیوں کی بھی فکر ہے اور دوسری طرف ہمارا یہ حال ہے کہ منوں اور سیروں کے حساب سے کھانا ضائع کر دینا گوارا ہے، مگر ڈرائیوروں اور ملازمین کے لیے کھانے کا انتظام کرنا گوارا نہیں ہے

یہ ہیں تفاوت رہ، از کجاست تا بہ کجبا؟

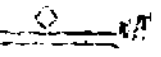
کیا ہم تھوڑی سی احتیاط اور دھیان کو کام میں لا کر رزق کی اس بے حرمتی اور اضاعت سے بچنے کا اہتمام نہیں کر سکتے؟ اگر ہم ایسا کر لیں تو کیا بعید ہے کہ اس ذرا سی توجہ کی بدولت مخلوق خدا کے کچھ افراد کی بھوک مٹ جائے؟ اور ہم ایک سنگین اجتماعی گناہ سے بچ جائیں۔

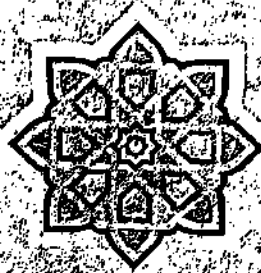


رزق کا صحیح استعمال

مولانا محمد عثمانی

جلد دہم





پنے کے آداب

(اصلاحی خطبات: ۵/۲۱۶)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

پینے کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا۔ أَمَا بَعْدُ

عن أنس رضي الله عنه "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتنفس في
الشراب ثلاثاً يعني يتنفس خارج الاناء." (۱)

وعن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «لَا
تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشْرَبِ الْبَعِيرِ، وَلَكِنْ اشْرَبُوا

(۱) صحیح البخاری ۱۱۲/۷ (۵۶۱۳) و صحیح مسلم ۱۶۰۲/۳ (۲۰۲۸) و ریاض الصالحین
۲۵۰ (۷۵۷) طبع موسسة الرسالة۔

مَثْنَى وَثَلَاثَ، وَسَمَّوْا إِذَا أَثْمَ شَرِبْتُمْ،
وَاحْمَدُوا إِذَا أَثْمَ رَفَعْتُمْ» (۱)

پانی پینے کا پہلا ادب

اب تک جن احادیث کا بیان ہوا، ان میں کھانے کے آداب بیان کیے گئے تھے۔ آج جو احادیث آرہی ہیں، ان میں زیادہ تر پینے کے آداب کا بیان ہے۔ اس میں پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پینے کی چیز کو خواہ وہ پانی ہو یا شربت ہو اس کو تین سانس میں پیا کرتے تھے،“ پھر سانس لینے کی وضاحت آگے کر دی کہ پینے کے دوران برتن منہ سے ہٹا کر سانس لیا کرتے تھے۔

دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”پینے کی کسی چیز کو اونٹ کی طرح ایک ہی مرتبہ نہ پیا کرو۔“ یعنی ایک ہی سانس میں ایک ہی مرتبہ آدمی غٹ غٹ کر کے پورا گلاس حلق میں انڈیل دے۔ یہ صحیح نہیں ہے اور اس عمل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے پینے سے تشبیہ دی، اس لیے کہ اونٹ کی عادت یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ میں سارا پانی پی جاتا ہے۔ تم اس کی طرح مت پیو، بلکہ تم جب پانی پیو تو یا دو سانس میں پیو یا تین سانس میں پیو اور جب پانی پینا شروع کرو تو اللہ کا نام لے کر اور بسم اللہ پڑھ کر شروع کرو، یہ نہیں کہ محض غٹ غٹ کر کے پانی حلق سے اتار لیا۔

(۱) سنن الترمذی ۴۵۶/۳ (۱۸۸۵) وقال هذا حديث غريب۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ایک چھوٹا رسالہ ہے، جس کا نام ہے ”بسم اللہ کے فضائل و مسائل“ اس چھوٹے سے رسالے میں حقائق و معارف کے دریا بند ہیں، اگر انسان پڑھے تو انسان کی آنکھیں کھل جائیں۔ اس میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ یہ پانی جس کو تم نے ایک لمحے کے اندر حلق سے نیچے اتار لیا، اس کے بارے میں ذرا یہ سوچو کہ یہ پانی کہاں تھا؟ اور تم تک کیسے پہنچا؟

پانی خدائی نظام کا کرشمہ

اللہ تعالیٰ نے پانی کا سارا ذخیرہ سمندر میں جمع کر رکھا ہے اور اس سمندر کے پانی کو کھارا بنایا، اس کے لیے اگر اس پانی کو بیٹھا بناتے تو کچھ عرصے کے بعد یہ پانی سڑ کر خراب ہو جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے اندر ایسے نمکیات رکھے کہ روزانہ لاکھوں جانور اس میں مر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود اس میں کوئی خرابی اور کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ نہ اس کے اندر کوئی سڑان پیدا ہوتی ہے اور پھر اگر تم سے یہ کہا جاتا کہ جب پانی کی ضرورت ہو تو سمندر سے حاصل کر لو اور اس کو پی لو۔ تو انسان کے لیے کتنا دشوار ہوتا، اس لیے کہ اول تو ہر شخص کا سمندر تک پہنچنا مشکل ہے اور دوسری طرف وہ پانی اتنا کھارا ہے کہ ایک گھونٹ بھی حلق سے اتارنا مشکل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ اس سمندر سے مون سون کے ہادل اٹھائے اور پھر عجیب قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس ہادل کے اندر ایسی آٹو بیلک مشین لگی ہوئی ہے کہ جب وہ ہادل سمندر سے اٹھتا ہے تو اس پانی کی ساری نمکیات نیچے رہ جاتی ہیں اور صرف میٹھا پانی اوپر اٹھ کر چلا جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا سال

میں ایک مرتبہ بادلوں کے ذریعے سارا پانی برسات دیتے اور یہ فرماتے کہ تم یہ پانی اپنے پاس جمع کر لو۔ اور ذخیرہ کر لو، ہم صرف ایک مرتبہ بارش برساتیں گے، تو اس صورت میں وہ برتن اور ٹنکیاں کہاں سے لاتے جن کے اندر تم اتنا پانی جمع کر لیتے جو تمہارے سال بھر کے لیے کافی ہو جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ

فَأَسْكِنَهُ فِي الْأَرْضِ (۱)

یعنی ہم نے پہلے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کو زمین کے اندر بٹھادیا اور جمع کر دیا۔ اس کو اس طرح بٹھادیا کہ پہلے پہاڑوں پر برسایا اور پھر اس کو برف کی شکل میں وہاں جمادیا اور تمہارے لیے وہاں ایک قدرتی فریزر بنا دیا۔ اب پہاڑ کی چوٹیوں پر تمہارے لیے پانی محفوظ ہے اور ضرورت کے وقت وہ پانی پگھل پگھل کر دریاؤں کے ذریعے زمین کے مختلف خطوں میں پہنچ رہا ہے اور پھر دریاؤں سے نہریں اور ندیاں نکالیں اور دوسری طرف زمین کی رگوں کے ذریعے کنوؤں تک پانی پہنچادیا، لہذا اب پہاڑوں کی چوٹیوں پر ذخیرہ بھی موجود ہے اور سپلائی لائن بھی موجود ہے اور اس سپلائی کے ذریعے ایک ایک آدمی تک پانی پہنچ رہا ہے۔ اب اگر ساری دنیا کے سائنس دان اور انجینئرز مل کر بھی اس طرح پانی کی سپلائی کا انتظام کرنا چاہتے تو انتظام نہیں کر سکتے تھے، لہذا جب پانی پیو تو ذرا غور کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے ذریعے یہ پانی کا گلاس تم تک پہنچایا اور اسی بات کی طرف یاد دہانی کے لیے کہا جا رہا ہے کہ جب پانی پیو بسم اللہ پڑھ کر پیو۔

(۱) سورة المومنون آیت (۱۸)۔

پوری سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

بادشاہ ہارون رشید کے پاس ایک مرتبہ ابن السماک آئے۔ اسی دوران ہارون رشید نے پانی مانگا، پانی آگیا تو ہارون رشید نے پینا چاہا تو ابن السماک نے کہا: امیر المؤمنین! ذرا ایک لمحے کے لیے ٹھہر جائیے۔ پہلے یہ بتائیں کہ یہ پانی جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے، بالفرض یہ پانی نہ ملتا اور پیاس اتنی شدید ہوتی جتنی اس وقت ہے، تو بتائیے اس ایک گلاس پانی کی کیا قیمت لگاتے اور اس کے حاصل کرنے پر کتنی رقم خرچ کر دیتے؟ ہارون رشید نے کہا کہ یہ پیاس تو ایسی چیز ہے کہ اگر انسان کو پانی نہ ملے تو اس کی وجہ سے بیتاب ہو جاتا ہے اور مرنے کے قریب ہو جاتا ہے، اس لیے میں ایک گلاس پانی حاصل کرنے کی خاطر اپنی آدمی سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اب ابن السماک نے کہا کہ اب آپ اس پانی کو پی لیں۔ ہارون رشید نے پانی پی لیا، اس کے بعد اس شخص نے ہارون رشید سے کہا کہ امیر المؤمنین! ایک سوال کا جواب اور دے دیں۔ انہوں نے پوچھا کیا سوال ہے؟

اس شخص نے کہا کہ ابھی آپ نے جو ایک گلاس پانی پیا ہے، اگر یہ پانی آپ کے جسم کے اندر رہ جائے اور خارج نہ ہو، پیشاب نہ آئے، پھر اس کو خارج کرنے کے لیے کیا کچھ خرچ کر دیں گے؟ ہارون رشید نے جواب دیا کہ یہ تو پہلی مصیبت سے زیادہ بڑی مصیبت ہے کہ پانی اندر جا کر خارج نہ ہو اور پیشاب بند ہو جائے، اس کو خارج کرنے کے لیے پوری سلطنت دے دیتا، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ آپ کی پوری سلطنت کی قیمت صرف ایک گلاس پانی کا اندر لے جانا اور اس کو باہر لانا ہے۔ جس سلطنت کی قیمت ایک گلاس پانی

پینے کی برابر ہو، کیا وہ اس لائق ہے کہ انسان اس کے لیے وسروں سے مقابلہ کرے، اس پر ہارون رشید رو پڑے (۱)۔

اس لیے یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر پانی پیو، اس سے اسی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ یہ پانی کا گلاس جو تم پی رہے ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے اور اس توجہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس پانی پینے کو تمہارے لیے عبادت بنا دیں گے۔

ٹھنڈا پانی، ایک عظیم نعمت

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں اشرف علی! جب بھی پانی پیو، تو ٹھنڈا پیو تا کہ روئیں روئیں سے اللہ تعالیٰ کا شکر نکلے۔ اس لیے کہ جب مومن آدمی ٹھنڈا پانی پئے گا تو اس کے روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا، شاید یہی وجہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد میں آپ کی چند پسندیدہ چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک چیز ٹھنڈا پانی ہے (۲)۔

چنانچہ روایات میں کہیں نہیں ملتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کسی خاص کھانے کا اہتمام کیا جا رہا ہو، لیکن ٹھنڈے پانی کا اتنا اہتمام تھا کہ مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک کنواں تھا، جس کا نام تھا ”بیرغس“۔ اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہوتا تھا،

(۱) تاریخ طبری ۳۵۷/۸ طبع دار التراث بیروت و تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۲۱۶ طبع مکتبۃ نزار مصطفی الباز۔

(۲) سنن الترمذی ۴۶۱/۳ (۱۸۹۵) والمستدرک للحاکم ۱۵۳/۴ (۷۲۰۰) وقال: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجهما ووافقہ الذہبی فی ”التلخیص“۔

اس کنویں کا پانی خاص طور پر آپ ﷺ کے لیے لایا جاتا تھا اور آپ ﷺ نے وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرے انتقال کے بعد مجھے غسل بھی اسی کنویں کے پانی سے دیا جائے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کو اسی ”بیرغس“ کے پانی سے غسل دیا گیا (۱)۔ اس کنویں کے آثار اب بھی باقی ہیں، مگر پانی خشک ہو چکا ہے، الحمد للہ! میں نے اس کنویں کی زیارت کی ہے۔ آپ ﷺ ٹھنڈے پانی کا اہتمام اس لیے فرماتے تھے کہ جب آدمی ٹھنڈا پانی پیے گا تو روئیں روئیں سے اللہ کا شکر نکلے گا۔

تین سانس میں پانی پینا

ان احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے پانی پینے کا ادب بتا دیا۔ جس میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تین سانس میں پانی پیا جائے۔ اس معنی میں جتنی احادیث مروی ہیں ان کی روشنی میں علماء کرام نے فرمایا کہ تین سانس میں پانی وغیرہ پینا افضل ہے اور سنت کے زیادہ قریب ہے، لیکن دو سانس میں پانی پینا بھی جائز ہے، چار سانس میں پینا بھی جائز ہے، البتہ ایک سانس میں سارا پانی پی جانا خلاف اولیٰ ہے، اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایک سانس میں پینا طبی طور پر بھی نقصان دہ ہے، واللہ اعلم۔ بہر حال! طبی طور پر نقصان دہ ہو یا نہ ہو، مگر حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سانس میں پانی پینے کی جو ممانعت فرمائی ہے وہ حرمت

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد ۴۳۴/۱ طبع مكتبة الخانجي۔ السيرة النبوية لابن كثير ۵۲۱/۴ طبع دار المعرفة۔ و امتاع الاسماع للمقرئ ۲۵۱/۷ طبع دار الكتب العلمية۔

والی ممانعت نہیں ہے، یعنی ایک سانس میں پانی پینا حرام نہیں ہے، لہذا اگر کوئی ایک سانس میں پانی پی لے گا تو گناہ گار نہ ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف شانیں

بات دراصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت امت کے لیے مختلف شانیں رکھتی ہیں، ایک حیثیت آپ کی رسول کی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچانے والے ہیں۔ اب اگر اس حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے ممانعت فرمادیں گے تو وہ کام حرام ہو جائے گا اور اس کام کو کرنا گناہ ہوگا اور ایک حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شفیق رہنما کی ہے، لہذا شفقت کی وجہ سے امت کو کسی کام سے منع فرماتے ہیں کہ یہ کام مت کرو، تو اس کی ممانعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے میں تمہارے لیے نقصان ہے، یہ اچھا اور پسندیدہ کام نہیں ہے، لیکن وہ کام حرام نہیں ہو جاتا۔ لہذا اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے گناہ کا کام کیا یا حرام کام کیا، لیکن یہ کہا جائے گا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف کام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ طریقے کے خلاف کیا اور وہ شخص جس کے دل میں حضور اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو وہ صرف حرام کاموں کو ہی نہیں چھوڑتا، بلکہ جو کام محبوب حقیقی کو ناپسند ہو، اس کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔

پانی پیو، ثواب کماؤ

لہذا فقہی طور پر تو میں نے بتا دیا کہ ایک سانس میں پانی پینا حرام اور گناہ

نہیں ہے، لیکن ایک محبتِ صادق، جس کے دل میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی محبت ہو وہ تو ایسے کاموں کے قریب بھی نہیں جائے گا جو آپ ﷺ کو پسند نہیں، لہذا جس کام کے بارے میں آپ ﷺ نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہے، ایک مسلمان کو حتی الامکان اس کے قریب نہیں جانا چاہیے اور اس کو اختیار نہ کرنا چاہیے، اگرچہ کر لینا کوئی گناہ نہیں، لیکن اچھی بات نہیں، اسی لیے علماء نے فرمایا کہ ایک سانس میں پینا خلافِ اولیٰ ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ مکروہِ تنزیہی ہے، لہذا کیوں خواہ مخواہ ایک سانس پی کر خلافِ اولیٰ کا ارتکاب کیا جائے، پانی تو پینا ہی ہے، اس پانی کو اگر تین سانس میں اس نقطہ نظر سے پی لو کہ یہ حضورِ اقدس ﷺ کی سنتِ شریفہ ہے تو یہ پانی پینا تمہارے لیے عبادت بن گیا اور سنت کے انوار و برکات تمہیں حاصل ہو گئے اور چونکہ ہر سنت پر عمل کرنے میں انسان اللہ کا محبوب بن جاتا ہے، اس لیے اس وقت آپ کو اللہ کی محبت حاصل ہو گئی۔ اللہ کے محبوب بن گئے، ذرا سی توجہ سے اس پر اتنا بڑا اجر و ثواب حاصل ہو گیا۔ اب کیوں بے پرواہی میں اس کو چھوڑ دیا جائے؟ لہذا اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔

مسلمان ہونے کی علامت

دیکھیے! ہر ملت و مذہب کے کچھ طریقے اور آداب ہوتے ہیں، جس کے ذریعے وہ ملت پہچانی جاتی ہے، یہ تین سانس میں پانی پینا بھی مسلمان کے شعار اور علامات میں سے ہے، چنانچہ بچپن سے بچے کو سکھایا جاتا ہے کہ پیٹا! تین سانس میں پانی پیو، آج کل تو اس کا رواج ہی ختم ہو گیا کہ اگر بچہ کوئی عملِ اسلامی آداب کے خلاف کر رہا ہے تو اس کو ٹوکا جائے کہ پیٹا! اس طرح کرو، اس طرح نہ کرو۔ بعض عشاق کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اگر پانی کا ایک ہی گھونٹ ہوتا ہے تو

سنت کی اتباع کے لیے اس ایک گھونٹ کو بھی تین سانس میں پیتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا اجر حاصل ہو جائے۔

منہ سے برتن ہٹا کر سانس لو

”عن أبي قتاده رضي الله عنه أن النبي ﷺ نهى أن يتنفس في
الاناء.“ (۱)

حضرت ابو قتادہ رضي الله عنه سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برتن کے اندر سانس لینے سے منع فرمایا۔

یعنی ایک آدمی پانی پیتے ہوئے برتن کے اندر ہی سانس لے اور سانس لیتے وقت برتن نہ ہٹائے، اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا، ایک اور حدیث میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ ایک صاحب حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پانی پیتے وقت بار بار سانس لینے کی ضرورت پیش آتی ہے میں کس طرح سانس لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس وقت سانس لینے کی ضرورت ہو، اس وقت جس گلاس یا پیالے کے ذریعے تم پانی پی رہے ہو۔ اس کو اپنے منہ سے الگ کر کے سانس لے لو اور پھر پانی پی لو، لیکن پانی پینے کے دوران برتن اور گلاس کے اندر سانس لینا اور پھنکارے مارنا ادب کے خلاف ہے اور سنت کے خلاف بھی (۲)۔

(۱) صحیح مسلم ۱/۲۲۵ (۴۶۷) و مسند احمد ۳۷/۳۰۱ (۲۲۵۲۲)۔

(۲) سنن الترمذی ۳/۴۵۷ (۱۸۸۲) وقال هذا حديث حسن صحيح۔

ایک عمل میں کئی سنتوں کا ثواب

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سنتوں پر عمل کرنے کی نیت کرنا لوٹ کا مال ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک عمل کے اندر جتنی سنتوں کی نیت کر لو گے، اتنی سنتوں کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ مثلاً پانی پیتے وقت یہ نیت کر لو کہ میں تین سانس میں پانی اس لیے پی رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تین سانس میں پینے کی تھی، اس سنت کا ثواب حاصل ہو گیا، اسی طرح یہ نیت کر لی کہ میں سانس لیتے وقت برتن کو اس لیے منہ سے ہٹا رہا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ اب دوسری سنت پر عمل کا بھی ثواب حاصل ہو گیا۔ اس لیے سنتوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، تاکہ آدمی جب کوئی عمل کرے تو ایک ہی عمل کے اندر جتنی سنتیں ہیں، ان سب کا دھیان اور خیال رکھے اور ان کی نیت کرے تو پھر ہر نیت کے ساتھ ان شاء اللہ مستقل سنت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

دائیں طرف سے تقسیم شروع کرو

”عن انس رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ أتى بلبن قد شيب بماء وعن يمينه اعرابي وعن يساره ابو بكر رضي الله عنه فشرب، ثم اعطى الاعرابي، وقال الايمن فالايمن.“^(۱)

(۱) صحیح البخاری ۱۱۰/۳ (۲۳۵۲) و صحیح مسلم ۱۶۰۳/۳ (۲۰۲۹) و سنن الترمذی ۴۶۰/۳ (۱۸۹۳) وقال هذا حديث حسن صحيح-

اس حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے ایک اور عظیم ادب بیان فرمایا ہے اور یہ ادب بھی امت مسلمہ کی علامات میں سے ہے اور اس ادب سے بھی ہمارے معاشرے میں غفلت برتی جا رہی ہے۔ وہ ادب اس حدیث میں ایک واقعے کے اندر بیان فرما دیا، وہ یہ کہ

ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دودھ لے کر آئے اور اس دودھ میں پانی ملا ہوا تھا، یہ پانی ملانا کوئی ملاوٹ کی غرض سے اور دودھ بڑھانے کی غرض سے نہیں تھا، بلکہ اہل عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ خالص دودھ اتنا مفید نہیں ہوتا، جتنا پانی ملا ہوا دودھ مفید ہوتا ہے، اس لیے وہ صاحب دودھ میں پانی ملا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لائے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس دودھ میں سے کچھ پیا، جو دودھ باقی بچا، آپ ﷺ نے چاہا کہ حاضرین کو پلا دیں اور اس وقت آپ ﷺ کے داہنی جانب ایک اعرابی، یعنی دیہات کا رہنے والا بیٹھا تھا، جس کو بدو بھی کہتے ہیں اور آپ ﷺ کے بائیں جانب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا بچا ہوا دودھ دائیں طرف بیٹھے ہوئے اعرابی کو پہلے عطا فرما دیا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا اور آپ ﷺ نے ساتھ میں فرمایا کہ ”الایمن فالایمن“ یعنی جو آدمی دائیں طرف بیٹھا ہو، پہلے اس کا حق ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

آپ اندازہ لگائیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس ترتیب کا اتنا خیال فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا

کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد اس روئے زمین پر ان سے زیادہ افضل انسان پیدا نہیں ہوا۔ جن کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”صدیق“ وہ انسان ہوتا ہے کہ اگر نبی کسی آئینے کے سامنے کھڑے ہوں تو یہ جو کھڑے ہوئے انسان ہیں یہ تو نبی ہیں اور آئینے میں ان کا جو عکس نظر آ رہا ہے، وہ ”صدیق“ ہیں۔ گویا کہ ”صدیق“ وہ ہے جو نبوت کا پورا عکس اور پوری چھاپ لیے ہوئے ہو اور جو صحیح معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ انسان ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میری پوری زندگی کے تمام اعمال خیر مجھ سے لے لیں اور اس کے بدلے میں وہ ایک رات جو انہوں نے ہجرت کے موقع پر غار کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گزاری تھی، وہ مجھے دے دیں، تو بھی سودا سستا رہے گا^(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا تھا، لیکن اس بلند مقام کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم کے وقت دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا، ان کو نہیں دیا اور فرمایا: ”الایمن فالایمن“ یعنی تقسیم کے وقت داہنی جانب والا مقدم ہے، بائیں جانب والا مؤخر ہے۔

داہنی جانب باعث برکت ہے

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول سکھا دیا کہ اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور کوئی چیز تقسیم کرنی مقصود ہو، مثلاً پانی پلانا ہو یا کھانے

(۱) فضائل الصحابہ لاحمد بن حنبل ۲۹۰/۱ (۲۸۱) طبع موسسہ الرسالہ۔ والمستدرک للحاکم ۷/۳ (۴۲۸) وقال: هذا حديث صحيح الإسناد على شرط الشيخين، لولا إرسال فيه ولم يفرجاه. وقال الذهبي في التلخيص: صحيح مرسل.

کی کوئی چیز تقسیم کرنی ہو یا چھوارے تقسیم کرنے ہوں، اس میں ادب یہ ہے کہ دائیں جانب والوں کو دے اور پھر بائیں جانب تقسیم کرے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں جانب کو بہت اہمیت دی ہے، دائیں جانب کو عربی میں ”یمن“ کہتے ہیں اور یمن کے معنی عربی زبان میں مبارک کے بھی ہوتے ہیں، اس لیے دائیں جانب کام کرنے میں برکت ہے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، دائیں ہاتھ سے پانی پیو، دایاں جوتا پہلے پہنو، چلنے میں راستے کے دائیں جانب چلو، یہاں تک حضور اقدس ﷺ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے تو پہلے دائیں جانب کے بالوں میں کنگھی کرتے، پھر بائیں جانب کرتے، دائیں کا اتنا اہتمام فرماتے، لہذا دائیں جانب سے ہر کام شروع کرنے میں برکت بھی ہے اور سنت بھی ہے (۱)۔

دائیں جانب کا اہتمام

ایک اور حدیث میں یہی مضمون آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ ﷺ نے اس میں کچھ پی لیا، کچھ بچ گیا، اس وقت مجلس میں دائیں جانب ایک نو عمر لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، جو عمر میں بڑے تھے، علم اور تجربے میں بھی زیادہ تھے، اب حضور اقدس ﷺ نے سوچا کہ ادب اور اصول کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ پینے کی چیز اس چھوٹے لڑکے کو دے دی جائے، لیکن بائیں جانب بڑے بڑے مشائخ بیٹھے تھے، ان کے درجے اور مرتبے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو

(۱) صحیح البخاری ۱/۹۳ (۴۲۶) و صحیح مسلم ۱/۲۲۷ (۳۶۸)۔

ترجیح دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس نوجوان لڑکے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمہارے بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں، اب حق تمہارا بنتا ہے کہ تمہیں دیا جائے، اس لیے کہ تم دائیں جانب ہو، لیکن بائیں جانب تمہارے بڑے بڑے بیٹھے ہیں۔ اگر تم اجازت دو تو میں ان کو دے دوں؟ وہ لڑکا بھی بڑا سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر کوئی اور چیز ہوتی تو میں ضرور ان بڑوں کو اپنے آپ پر ترجیح دے دیتا، لیکن یہ آپ کا بچا ہوا ہے اور آپ کے بچے ہوئے پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، لہذا اگر میرا حق بنتا ہے تو آپ مجھے ہی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ وہ چیز اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے فرمایا کہ لو! تم ہی پی لو۔ یہ نوجوان حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تھے۔^(۱)

دیکھیے! حضور اقدس ﷺ نے دائیں جانب کا اتنا اہتمام فرمایا، حالانکہ بائیں جانب بڑے بڑے لوگ بیٹھے ہیں اور خود آپ ﷺ کی بھی یہی خواہش ہے کہ یہ چیز ان بڑوں کو مل جائے، لیکن آپ ﷺ نے اس قاعدے اور اس اصول کے خلاف نہیں کیا کہ دائیں جانب سے شروع کیا جائے۔ اب دن رات ہمارے ساتھ اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ مثلاً گھر میں لوگ بیٹھے ہیں، ان کے درمیان کوئی چیز تقسیم کرنی ہے یا مثلاً دسترخوان پر برتن لگاتے ہیں یا کھانا تقسیم کرنا ہے، اس میں اگر ہم اس بات کا اہتمام کریں کہ دائیں جانب سے شروع کریں اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی نیت کر لیں، پھر دیکھیں اس میں کتنی برکت اور کتنا نور معلوم ہوگا۔

(۱) صحیح البخاری ۱۰۹/۳ (۲۳۵۱) و صحیح مسلم ۱۶۰۴/۳ (۲۰۳۰)۔

بہت بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پینا

”عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: نہی رسول اللہ ﷺ عن اختناث الاسقیة، یعنی أن تکسر افواہها ویشرب منها.“ (۱)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ادب بیان فرمادیا۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ مشکیزوں کے منہ کاٹ کر پھر اس سے منہ لگا کر پانی پیا جائے۔ اس زمانے میں پانی بڑے بڑے مشکیزوں میں بھر کر رکھا جاتا تھا، جیسے کہ آج کل بڑے بڑے گیلن ہوتے ہیں، ان سے منہ لگا کر پانی پینے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

ممانعت کی دو وجہ

علماء نے فرمایا کہ اس ممانعت کی دو وجہ ہیں، ایک وجہ یہ ہے کہ اس مشکیزے یا گیلن کے اندر بڑی مقدار میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پانی کے اندر کوئی نقصان دہ چیز پڑی ہوئی ہو، جس کی وجہ سے پانی خراب ہو گیا ہو یا نقصان دہ ہو گیا ہو۔ جیسے بعض اوقات کوئی جانور یا کیڑا وغیرہ گر کر پانی میں مر جاتا ہے، اب نظر تو نہیں آ رہا ہے کہ اندر کیا ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ منہ لگا کر پانی پینے کے نتیجے میں کوئی خطرناک چیز حلق میں نہ چلی جائے یا پانی

(۱) صحیح البخاری ۱۱۲/۲ (۵۶۲۵) و صحیح مسلم ۱۶۰۰/۲ (۲۰۲۳)۔

ناپاک اور نجس نہ ہو گیا ہو، اس لیے آپ ﷺ نے اس طرح منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔

دوسری وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی کہ جب آدمی اتنے بڑے برتن سے منہ لگا کر پانی پیے گا تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک دم سے بہت سا پانی منہ میں آجائے، اور اس کے نتیجے میں اُٹھو لگ جائے، پھندا لگ جائے یا کوئی اور تکلیف ہو جائے۔ اس لیے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

حضور اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شفقت

لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ جن باتوں سے منع فرماتے ہیں، ان میں سے بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ ہوتی ہیں اور بعض باتیں وہ ہوتی ہیں جو حرام اور گناہ نہیں ہوتی، لیکن حضور اقدس ﷺ ہم پر شفقت کرتے ہوئے اور ادب سکھاتے ہوئے اس سے منع فرماتے ہیں اور جس کام کو آپ شفقت کی وجہ سے منع فرماتے ہیں۔ جب کہ وہ کام حرام اور گناہ نہیں ہوتا، اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کبھی کبھار زندگی میں آپ اس کام کو کر کے بھی دکھا دیتے ہیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کام حرام اور ناجائز نہیں ہے، لیکن ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم سرورِ دو عالم ﷺ نے ایک دو مرتبہ مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا۔ علماء نے فرمایا کہ ان تمام برتنوں کا بھی یہی حکم ہے، جو بڑے ہوں، ان میں زیادہ مقدار میں پانی آتا ہو۔ جیسے بڑا کنستر ہے یا مٹکا ہے ان سے بھی منہ لگا کر پانی نہیں پینا چاہیے، البتہ ضرورت داعی ہو جائے تو الگ بات ہے، چنانچہ اگلی حدیث میں اس

کی وضاحت آرہی ہے۔

مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پینا

”عن ام ثابت كبشة بنت ثابت اخت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہا قالت: دخلت على رسول الله ﷺ فشرب في قربة معلقة قائماً فقامت الي فيها فقطعته۔“ (۱)

حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا جو کہ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے گھر میں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر اس مشکیزے سے منہ لگا کر پانی پیا۔

اس عمل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اس طرح مشکیزہ سے منہ لگا کر پینا کوئی حرام نہیں ہے۔ صرف تم پر شفقت کرتے ہوئے ایک مشورے کے طور پر یہ حکم دیا گیا ہے۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ چلے گئے تو میں کھڑی ہوئی اور مشکیزے کے جس حصے سے منہ لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا، اس حصے کو کاٹ کر وہ چمڑا اپنے پاس رکھ لیا۔

(۱) سنن الترمذی ۳/۴۶۰ (۱۸۹۲) وقال: هذا حديث حسن صحيح غريب۔ وسنن ابن ماجہ ۱۰۶/۵ (۳۴۳)۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ جس کو چھولیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک ایک صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار، عاشق زار، فداکار تھے۔ ایسے فداکار اور جاں نثار کسی اور ہستی کے نہیں مل سکتے، جیسے کہ آپ نے اوپر دیکھا کہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہ نے اس مشکیزہ کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ چھوئے ہیں اور آئندہ کسی اور کے ہونٹ اس کو نہیں چھونے چاہئیں اور اب یہ چیز اس لیے نہیں ہے کہ اس کو مشکیزے کے طور پر استعمال کیا جائے، بلکہ یہ تو تبرک کے طور پر رکھنے کے قابل ہے، اس لیے اس کو کاٹ کر تبرک کے طور پر اپنے گھر میں رکھ لیا۔

یہ بال متبرک ہو گئے

حضرت ابو مخذومہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا موزن مقرر فرمایا تھا۔ جس وقت یہ مسلمان ہوئے تھے، اس وقت یہ چھوٹے بچے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا، جس طرح چھوٹے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ابو مخذومہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس مقام پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تھا، ساری عمر اس جگہ کے بال نہیں کٹوائے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ بال ہیں جس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک چھوئے ہیں۔ (۱)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۱/۴۵۷ (۱۷۷۹) و مسند احمد ۲۴/۹۱ (۱۵۳۷۶) سنن ابی داؤد ۱۳۶/۱ (۵۰۱)۔

تبرکات کی حیثیت

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھنا یا آپ ﷺ کے صحابہ، تابعین، بزرگان دین، اولیاء کرام رضی اللہ عنہم کی کوئی چیز تبرک کے طور پر رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل اس بارے میں لوگوں کے درمیان افراط و تفریط پایا جاتا ہے، بعض لوگ ان تبرکات سے بہت چڑتے ہیں، اگر ذرا سی تبرک کے طور پر کوئی چیز رکھ لی، تو ان کے نزدیک وہ شرک ہو گیا اور بعض لوگ وہ ہیں جو تبرکات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حق ان دونوں کے درمیان ہے۔ نہ تو انسان یہ کرے کہ تبرک کو شرک کا ذریعہ بنالے اور نہ ہی تبرک کا ایسا انکار کرے کہ بے ادبی تک پہنچ جائے، جس چیز کو اللہ والوں کی نسبت ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس میں برکتیں نازل فرماتے ہیں، ایک واقعہ تو آپ نے ابھی سن لیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے مشکیزے کی جس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا ان صحابیہ نے اس کو کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا۔

متبرک دراہم

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کے دراہم عطا فرمائے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان دراہم کو ساری عمر خرچ نہ کیا اور فرماتے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کے عطا فرمودہ ہیں، وہ اٹھا کر رکھ دیے۔ حتیٰ کہ اولاد کو وصیت کر کے گئے کہ یہ دراہم حضور اقدس ﷺ کے عطا کردہ ہیں ان کو خرچ مت کرنا، بلکہ تبرک کے طور پر ان کو گھر میں رکھنا۔ چنانچہ ایک عرصہ دراز تک وہ دراہم ان کے خاندان میں چلتے رہے، ایک دوسرے کی طرف منتقل

ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ کسی ہنگامے کے موقع پر وہ ضائع ہو گئے۔^(۱)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک پسینہ

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سو رہے ہیں، گرمی کا موسم تھا اور عرب میں بہت سخت گرمی پڑتی تھی۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے پسینہ بہہ کر زمین پر گر رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک شیشی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک اس میں محفوظ کر لیا۔ وہ فرماتی ہیں کہ وہ پسینہ اتنا خوشبودار تھا کہ مشک و زعفران اس کے آگے بچھ تھے اور پھر میں نے اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور جب گھر میں خوشبو استعمال کرتی تو اس میں تھوڑا سا پسینہ شامل کر لیتی۔ ایک عرصہ دراز تک میں نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔^(۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک بال

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کو کہیں سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مل گئے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان بالوں کو ایک شیشی کے اندر ڈال کر اس میں پانی بھر دیا اور پھر جب قبیلے میں کوئی بیمار ہوتا، تو اس پانی کا ایک قطرہ دوسرے پانی میں ملا کر اس بیمار کو پلا دیتے تو اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمادیتے۔^(۳)

(۱) صحیح البخاری ۱۰۰/۳ (۲۳۰۹) و صحیح مسلم ۱۲۲۲/۳ (۷۱۵)۔

(۲) صحیح البخاری ۶۳/۸ (۶۲۸۱) و صحیح مسلم ۱۸۱۵/۴ (۲۳۳۱)۔

(۳) صحیح البخاری ۱۶۰/۷ (۵۸۹۶)۔

بہر حال! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کا احترام کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبرکات

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے میں جس جگہ پر ایسی منزل آتی، جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گزرتے ہوئے کبھی قیام فرمایا تھا، تو وہاں میں اترتا اور دو رکعت نفل ادا کر لیتا اور پھر آگے روانہ ہوتا۔ (۱)

بہر حال! اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کو باقی رکھنے اور محفوظ رکھنے کا بہت اہتمام فرمایا، لیکن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تبرکات کی حقیقت سے بھی واقف تھے، ان تبرکات میں غلو، مبالغہ یا افراط و تفریط کا ان سے کوئی امکان نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہی تبرکات کو وہ سب کچھ سمجھ بیٹھتے، انہی کو مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ بیٹھتے یا ان تبرکات کو شرک کا ذریعہ بنا لیتے یا ان تبرکات کی پرستش شروع کر دیتے۔

بت پرستی کی ابتداء

عرب میں بت پرستی کا رواج بھی درحقیقت ان تبرکات میں غلو کے نتیجے میں شروع ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے پاس قیام کیا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام وہیں پلے بڑھے، جوان

(۱) صحیح البخاری ۱۰۴/۱ (۴۸۳)۔

ہوئے اور پھر بنی جرہم کے لوگ وہاں آ کر آباد ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ کی بستی آباد ہو گئی، بعد میں بنی جرہم کی ایک دوسرے قبیلے والوں سے لڑائی ہو گئی۔ لڑائی کے نتیجے میں دوسرے قبیلے والوں نے بنی جرہم کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا۔ چنانچہ بنی جرہم کے لوگ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو یادگار کے طور پر کسی نے مکہ مکرمہ کی مٹی اٹھالی، کسی نے پتھر اٹھالیے، کسی نے بیت اللہ کے آس پاس کی کوئی اور چیز اٹھالی، تاکہ یہ چیزیں ہم اپنے پاس تبرک اور یادگار کے طور پر رکھیں گے اور ان کو دیکھ کر ہم بیت اللہ شریف اور مکہ کو یاد کریں گے، جب دوسرے علاقے میں جا کر قیام کیا تو وہاں پر بڑے اہتمام سے ان تبرکات کی حفاظت کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ جب پرانے لوگ رخصت ہو گئے اور کوئی صحیح راستہ بتانے والا باقی نہ رہا تو بعد کے لوگوں نے رفتہ رفتہ اس مٹی اور پتھروں سے کچھ صورتیں بنا لیں اور وہ صورتیں بتوں کی شکل میں تیار ہو گئیں اور پھر انہی کی پرستش شروع کر دی، اہل عرب کے اندر یہیں سے بت پرستی کا آغاز ہوا۔ (۱)

تبرکات میں اعتدال ضروری ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔ اگر ان تبرکات کا احترام حد کے اندر نہ ہو تو پھر شرک اور بت پرستی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے تبرکات کے معاملے میں بڑے اعتدال کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ نہ تو ان کی بے ادبی ہو اور نہ ہی ایسی تعظیم ہو، جس کے نتیجے میں انسان شرک میں مبتلا ہو جائے یا شرک کی سرحدوں کو چھونے لگے۔ تبرکات کی حقیقت یہ ہے کہ برکت کے لیے

(۱) البدایة والنهاية لابن کثیر ۳/۱۸۲ طبع دار ہجر۔

اس کو اپنے پاس رکھ لے، اس لیے کہ جب ایک چیز کو کسی بزرگ کے ساتھ نسبت ہوگی تو اس نسبت کی بھی قدر کرنی چاہیے، اس کی نسبت کی بھی تعظیم اور ادب کرنا چاہیے۔ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

”میں مدینہ منورہ کے ساتھ نسبت رکھنے والے کتے کا بھی احترام کرتا ہوں اس لیے کہ اس کتے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کے ساتھ نسبت حاصل ہے۔“

یہ سب عشق کی باتیں ہوتی ہیں کہ محبوب کے ساتھ کسی چیز کو ذرا سی بھی نسبت ہوگئی تو اس کا ادب اور احترام کیا اور جب نسبت کی وجہ سے کوئی شخص تعظیم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں کہ اس نے میرے محبوب کی نسبت کی بھی قدر کی، بشرطیکہ حدود میں رہے، حد سے آگے نہ بڑھے۔ یہ بات ہمیشہ سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہے، اس لیے کہ لوگ بکثرت افراط و تفریط کی باتیں کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے پریشانی کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اعتدال میں رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیٹھ کر پانی پینا سنت ہے

”عن انس رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنه نہی أن یشرب الرجل قائمًا“ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۶۰۰ (۲۰۲۴) و سنن ابی داؤد ۳/۳۳۶ (۳۷۱۷)۔

اس حدیث کی بنیاد پر علماء نے فرمایا ہے کہ حتی الامکان کھڑے ہو کر پانی نہ پینا چاہیے اور حضور اقدس ﷺ کی سنت شریفہ یعنی عام عادت یہ تھی کہ آپ بیٹھ کر پانی پیتے تھے۔ اس لیے کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، مکروہ تنزیہی کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی گناہ نہیں، حرام نہیں، لیکن خلاف ادب اور خلاف اولیٰ ہے اور حضور اقدس ﷺ کا ناپسندیدہ ہے۔

کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے

یہ بات بھی سمجھ لیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے کسی چیز سے منع فرمایا، جب کہ وہ چیز حرام اور گناہ نہیں ہے تو ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو بتانے کے لیے کبھی کبھار خود بھی وہ عمل کر کے دکھا دیا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ عمل گناہ اور حرام نہیں، چنانچہ حضور اقدس ﷺ سے کئی مرتبہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی ثابت ہے (۱)۔ ابھی میں آپ کو حضرت کبشہ بنی نضیر کے مشکیزے سے پانی پینے کا واقعہ سنایا۔ وہ مشکیزہ دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا تھا اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر اس سے پانی پیا، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ اگر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہے، ایسے موقع پر اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پی لے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلا کراہت جائز ہے اور بعض اوقات آپ ﷺ نے صرف یہ بتانے کے لیے کھڑے ہو کر پانی پیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا بھی جائز ہے، چنانچہ حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک

(۱) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۱۵۶/۲ (۱۶۳۲) و ۱۱۰/۷ (۵۶۱۷) و صحیح مسلم ۱۶۰۱/۳ (۲۰۲۷)

مرتبہ حضرت علیؑ ”باب الرحبة“ میں تشریف لائے، ”باب الرحبة“ کوفہ کے اندر ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں پر کھڑے ہو کر آپ نے پانی پیا اور فرمایا کہ

”انی رأیت رسولَ اللہ ﷺ فعل کما رأیتمونی
فعلت“ (۱)

یعنی میں نے حضور اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں کھڑے ہو کر پانی پی رہا ہوں۔ بہر حال! کبھی کبھی حضور اقدس ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پی کر یہ بتا دیا کہ یہ عمل گناہ نہیں۔

بیٹھ کر پینے کی فضیلت

لیکن اپنی امت کو جس کی تعلیم دی اور جس کی تاکید فرمائی اور جس پر ساری عمر عمل فرمایا وہ یہ تھا کہ حتی الامکان بیٹھ کر ہی پانی پیتے تھے، اس لیے یہ بیٹھ کر پانی پینا حضور اقدس ﷺ کی اہم سنتوں میں سے ہے اور جو شخص اس کا جتنا اہتمام کرے گا۔ ان شاء اللہ اس پر اجر و ثواب اور اس کی فضیلت اور برکات حاصل ہوں گی، اس لیے خود بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے اور دوسروں سے بھی اس کا اہتمام کرانا چاہیے، اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دینی چاہیے اور بچوں کے دل میں یہ بات بٹھانی چاہیے کہ جب بھی پانی پیو تو بیٹھ کر پیو۔ اگر انسان اس کی عادت ڈال لے تو مفت کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس عمل میں کوئی خاص محنت اور مشقت نہیں ہے۔ اگر آپ پانی

(۱) صحیح البخاری ۱۱۰/۷ (۵۶۱۵-۵۶۱۶)۔

کھڑے ہو کر پینے کے بجائے بیٹھ کر پی لیں تو اس میں کیا حرج اور کیا مشقت لازم آجائے گی؟ لیکن جب سنت کی اتباع کی نیت کر کے پانی بیٹھ کر پی لیا تو اتباع سنت کا عظیم اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا۔

سنت کی عادت ڈال لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے گیا، وہاں پانی پینے کی ضرورت پیش آئی، مسجد میں منگے رکھے تھے، میں نے منگے سے پانی نکالا اور اپنی عادت کے مطابق ایک جگہ بیٹھ کر پانی پینے لگا، ایک صاحب یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، وہ قریب آئے اور کہا: یہ آپ نے بیٹھنے کا اتنا اہتمام کیا، اس کی کیا ضرورت تھی؟ کھڑے ہو کر ہی پی لیتے“ میں نے سوچا اب میں ان سے کیا بحث کروں، میں نے کہا کہ اصل میں ہمیشہ سے بیٹھ کر پینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس شخص نے کہا کہ یہ آپ نے عجیب بات فرمائی کہ عادت پڑ گئی، ارے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت پڑ جانا کوئی معمولی بات ہے؟ بہر حال! عادتیں تو انسان بہت سی ڈال لیتا ہے، لیکن جب عادت ڈالے تو سنت کی عادت ڈالے، تاکہ اس پر اجر و ثواب بھی حاصل ہو جائے۔

نیکی کا خیال اللہ کا مہمان ہے

ہمارے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب دل میں کسی نیک کام کرنے یا کسی سنت پر عمل کرنے کا خیال آئے تو اس ”خیال“ کو صوفیاء کرام ”وارد“ کہتے ہیں۔ یہ ”وارد“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے



بھیجا ہوا مہمان ہے، اس مہمان کا اکرام کرو اور اس کی قدر پہچانو، مثلاً جب آپ نے کھڑے ہو کر پانی پینا شروع کیا تو اس وقت دل میں خیال آیا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا اچھا نہیں ہے، سنت کے خلاف ہے، بیٹھ کر پانی پینا چاہیے۔ اگر آپ نے اس خیال اور ”وارد“ کا اکرام کرتے ہوئے بیٹھ کر پانی پی لیا تو یہ مہمان بار بار آئے گا، آج اس نے تمہیں بٹھا کر پانی پلا دیا تو کل کسی اور سنت پر عمل کرائے گا، اس طرح یہ تمہاری نیکیوں میں اضافہ کراتا چلا جائے گا، لیکن اگر تم نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کی ناقدری کی۔ مثلاً پانی پیتے وقت بیٹھ کر پانی پینے کا خیال آیا تو تم نے فوراً اس خیال کو یہ کہہ کر جھٹک دیا کہ بیٹھ کر پانی پینا کون سا فرض و واجب ہے، کھڑے ہو کر پینا گناہ تو ہے نہیں۔ چلو کھڑے کھڑے پانی پی لو۔ اب تم نے اس مہمان کی ناقدری کی اور اس کو واپس بھیج دیا اور اگر چند مرتبہ تم نے اس کی اس طرح ناقدری کی تو پھر یہ آنا بند کر دے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سیاہ ہو گیا ہے اور دل پر مہر لگ گئی ہے، جس کے نتیجے میں اب نیکی کا خیال بھی نہیں آتا، بلکہ بدی اور گناہ کے خیالات آتے ہیں۔ اس لیے کہ جب کبھی اتباع سنت کا خیال آئے تو فوراً اس پر عمل کر لو۔ شروع شروع میں تھوڑی تکلیف ہوگی، لیکن آہستہ آہستہ جب عادت پڑ جائے گی، تو پھر آسان ہو جائے گا۔

زمزم کا پانی کس طرح پیا جائے؟

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: ”سقیٰ النبی ﷺ من

زمزم، فشرب وهو قائم“ (۱)

(۱) صحیح البخاری ۱۵۷/۲ (۱۶۳۷) و ۱۱۰/۲ (۵۶۱۷) و صحیح مسلم ۱۶۰۱/۳ (۲۰۲۷)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم پیا۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینے کے بجائے کھڑے ہو کر پینا افضل اور بہتر ہے، چنانچہ یہ بات مشہور ہے کہ دو پانی ایسے ہیں جو کھڑے ہو کر پینے چاہئیں۔ ایک زمزم کا پانی اور ایک وضو کا بچا ہوا پانی، اس لیے کہ وضو سے بچا ہوا پانی پینا بھی مستحب ہے ^(۱)، لیکن دوسرے علماء یہ فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ دونوں پانی بھی بیٹھ کر پینے چاہئیں، جہاں تک حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا تعلق ہے کہ اس میں حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو زمزم کا کنواں اور دوسرے اس پر لوگوں کا ہجوم اور پھر کنویں کے چاروں طرف کیچڑ، قریب میں کہیں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پی لیا، لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی تھی کہ زمزم کا پانی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے۔ اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی بیٹھ کر پینا افضل ہے، البتہ عذر کے مواقع پر جس طرح عام پانی کھڑے ہو کر پینا جائز

(۱) ملاحظہ ہو صحیح البخاری ۱۱۰/۷ (۵۶۱۶)۔

ہے۔ اسی طرح زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے۔ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہیں کہ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے تھے، لیکن جب زمزم کا پانی دیا گیا تو ایک دم سے کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر اس کو پیا، اتنا اہتمام کر کے کھڑے ہو کر پینے کی ضرورت نہیں، بلکہ بیٹھ کر پینا چاہیے، وہی افضل ہے۔

کھڑے ہو کر کھانا

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم "نهى أن يشرب الرجل قائماً قال قتادة: فقلنا لأنس فلا أكل؟ قال: ذلك أشر أو أخبث." (۱)

حضرت انس رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلى الله عليه وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا۔ حضرت قتادہ رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس رضي الله عنه سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانے کا کیا حکم ہے؟ حضرت انس رضي الله عنه نے فرمایا: "کھڑے ہو کر کھانا تو اس سے بھی زیادہ برا اور اس سے بھی زیادہ خبیث ہے۔"

یعنی کھڑے ہو کر پانی پینے کے مقابلے میں کھڑے ہو کر کھانا اس سے زیادہ برا ہے۔ چنانچہ اسی حدیث کی بنیاد پر بعض علماء نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور کھڑے ہو کر کھانا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔ اس لیے کہ

(۱) صحیح مسلم ۳/۱۶۰۰ (۲۰۲۴)۔

کھڑے ہو کر کھانے کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے زیادہ خبیث اور برا طریقہ فرمایا۔

کھڑے ہو کر کھانے سے بچئے

بعض لوگ کھڑے ہو کر کھانے کے جواز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چلتے ہوئے بھی کھا لیتے تھے اور کھڑے ہو کر پانی پی لیتے تھے^(۱)۔ یہ حدیث لوگوں کو بہت یاد رہتی ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر کھا لیتے تھے تو ہمیں کھڑے ہو کر کھانے سے کیوں منع کیا جا رہا ہے؟

خوب سمجھ لیں! ابھی آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سن لی کہ کھڑے ہو کر کھانا زیادہ خبیث اور زیادہ برا طریقہ ہے، یعنی ایسا کرنا ناجائز ہے، اس حدیث سے مراد وہ کھانا ہے جو باقاعدہ کھایا جاتا ہے۔ جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا تعلق ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کو باقاعدہ بیٹھ کر دسترخوان بچھا کر نہیں کھایا جاتا، بلکہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی چیز ہے۔ مثلاً چاکلیٹ ہے یا چھوڑا ہے یا بادام وغیرہ ہے یا کوئی پھل چکھنے کے طور پر کھالیا، اس میں چلتے پھرتے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جہاں تک دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے، لُحْج اور ڈُزْر کا تعلق ہے کہ ان کو کھڑے ہو کر کھانا اور کھڑے ہو کر کھانے کا باقاعدہ اہتمام کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ آج

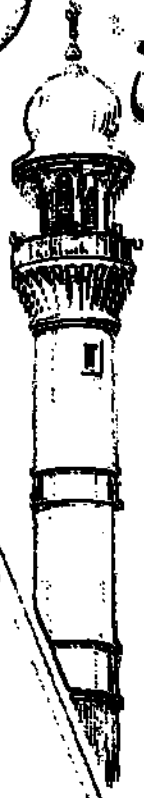
(۱) سنن ابن ماجہ ۳۴/۵ (۳۳۰۱) و سنن الترمذی ۳۴/۵ (۳۳۰۱) وقال: هذا حدیث صحیح غریب، من حدیث عبید اللہ بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر.

کل کی دعوتوں میں کھڑے ہو کر کھانے کا طریقہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ انسانوں کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ جانوروں کا طریقہ ہے۔ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو چرنے کا طریقہ ہے۔ کھانے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ کبھی ادھر سے چر لیا، کبھی ادھر سے چر لیا اور پھر اس طریقے میں بے تہذیبی ہے ناشائستگی بھی ہے اور مہمانوں کی بے عزتی ہے۔ خدا کے لیے اس طریقے کو چھوڑنے کی فکر کریں۔ ذرا سا اہتمام کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس طریقے میں کفایت شعاری ہے، اس لیے کہ کرسیوں کا کرایہ بچ جاتا ہے اور کم جگہ پر زیادہ کام ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی سب جگہوں پر کفایت کر رکھی ہے، حالانکہ بلاوجہ چراغاں ہو رہا ہے، فضول لائٹنگ ہو رہی ہے، وہاں کفایت کا خیال نہیں آتا۔ اس کے علاوہ فضول رسموں میں بے پناہ رقم صرف کردی جاتی ہے، وہاں کفایت شعاری کا خیال نہیں آتا، ساری کفایت شعاری کا خیال کھڑے ہو کر کھانے میں آ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوائے فیشن پرستی کے اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس لیے اہتمام کر کے اس سے بچیں اور آج ہی اس بات کا عزم کر لیں کہ خواہ بٹھا کر کھلانے میں کتنا پیسہ زیادہ خرچ ہو جائے مگر کھڑے ہو کر نہیں کھلائیں گے۔ اپنے یہاں سے اس طریقے کے رواج کو ختم کریں، تاکہ یہ خبیث طریقے ہمارے یہاں سے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

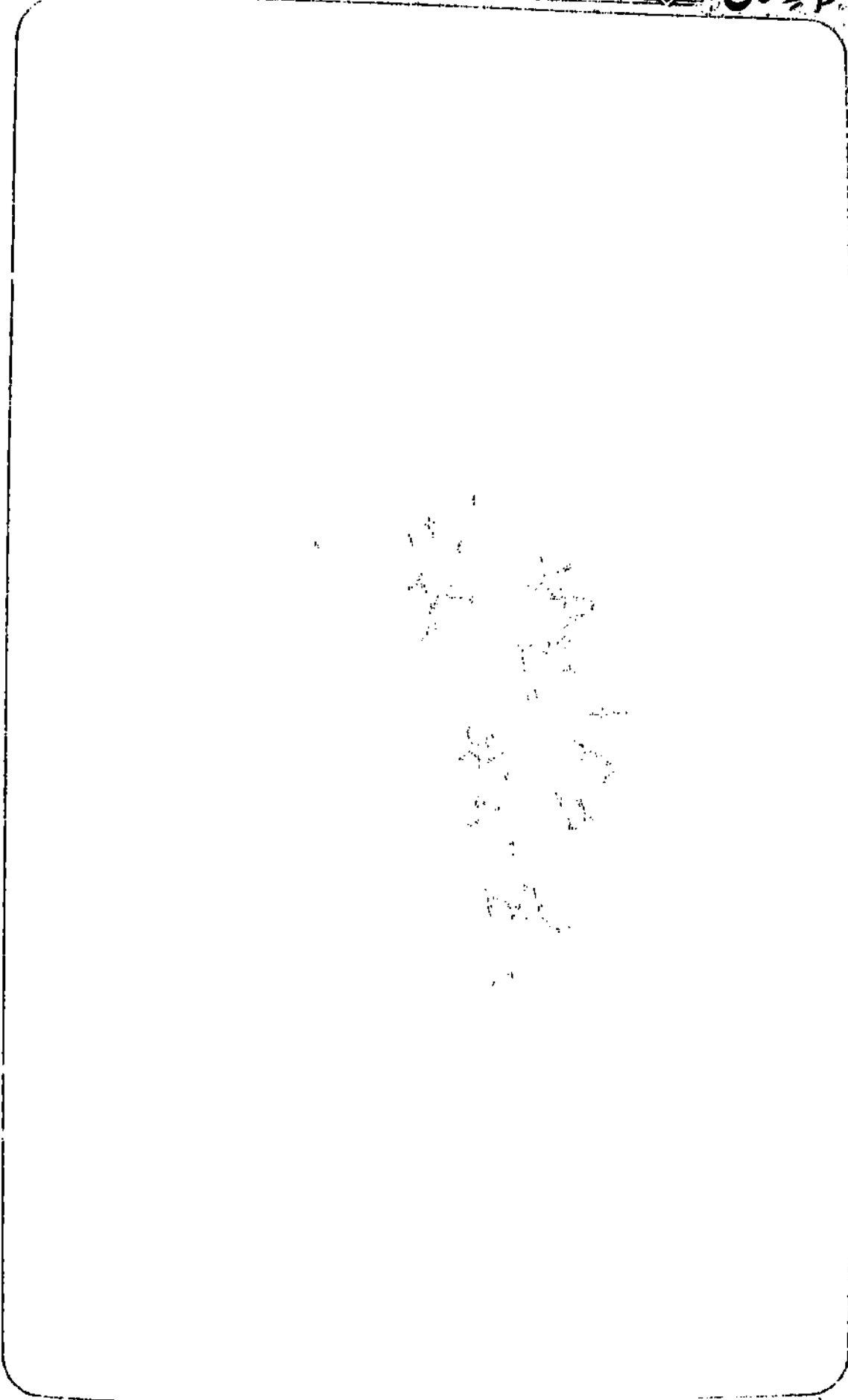
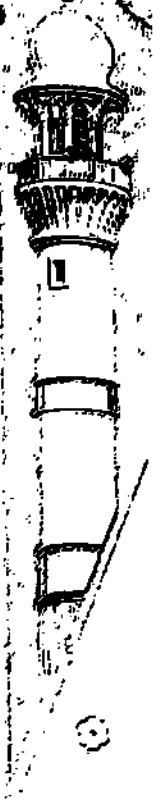
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





دعوت کے آداب

(اصلاحی خطبات ۵/۲۴۲)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دعوت کے آداب

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: "اذا دعی احدکم فلیجب، فان کان صائما فلیصل، وان کان مفطرا فلیطعم" (۱)

(۱) صحیح مسلم ۱۰۵۴/۲ (۱۴۳۱) و سنن ابی داؤد ۳۳۱/۲ (۲۴۶۰) و سنن الترمذی ۱۴۱/۲

دعوت قبول کرنا مسلمان کا حق ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کر لے۔ اب اگر وہ شخص روزے سے ہے تو اس کے حق میں دعا کر دے، یعنی اس کے گھر جا کر اس کے حق میں دعا کر دے اور اگر روزے سے نہیں ہے تو اس کے ساتھ کھانا کھالے۔

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے مسلمان کی دعوت قبول کرنے کی تاکید فرمائی اور دعوت کے قبول کرنے کو مسلمانوں کے حقوق میں شمار فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

”حق المسلم على المسلم خمس، رد السلام،
وتشميت العاطس، واجابة الدعوة، واتباع
الجنائزة، وعيادة المريض.“^(۱)

یعنی ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

پہلا: اس کے سلام کا جواب دینا۔ دوسرا: اگر کسی کو چھینک آئے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔ تیسرا: اگر مسلمان دعوت دے تو اس کی دعوت کو قبول کرنا۔ چوتھا: اگر کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جانا۔ پانچواں: اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا۔

(۱) صحیح البخاری ۷۱/۲ (۱۲۴۰) و صحیح مسلم ۱۷۰۴/۴ (۲۱۶۲)۔

حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو یہ پانچ حقوق بیان فرمائے ان میں سے ایک حق دعوت قبول کرنے کا بھی ہے۔ اس لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو دعوت دی جائے تو اس کو قبول کرنا چاہیے۔

دعوت قبول کرنے کا مقصد

اور اس نیت سے دعوت قبول کرنا چاہیے کہ یہ میرا بھائی ہے اور یہ مجھے محبت سے بلا رہا ہے۔ اس کی محبت کی قدر دانی ہو جائے اور اس کا دل خوش ہو جائے۔ دعوت قبول کرنا سنت ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ نہ ہو کہ کھانا اچھا ہو تو قبول کر لے اور کھانا اچھا نہ ہو تو قبول نہ کرے، بلکہ دعوت قبول کرنے کا مقصد اور منشاء یہ ہو کہ میرے بھائی کا دل خوش ہو جائے، چنانچہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ

”ولو دعیت الی کراع لأجبت“^(۱)

یعنی اگر کوئی شخص بکری کے پائے کی بھی دعوت کرے گا تو میں قبول کر لوں گا۔

آج کل اگرچہ پائے کی دعوت کو عمدہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس زمانے میں پائے کو بہت معمولی چیز سمجھا جاتا تھا۔ لہذا دعوت دینے والا مسلمان غریب ہی کیوں نہ ہو تم اس کی دعوت اس نیت سے قبول کر لو کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کا

(۱) صحیح البخاری ۱۵۳/۳ (۲۵۶۸) و ۲۵۰/۷ (۵۱۷۸)۔

دل خوش ہو جائے۔ غریب اور امیر کا فرق نہ ہونا چاہیے کہ اگر امیر آدمی دعوت دے رہا ہو تب تو قبول کر لی جائے اور اگر کوئی معمولی حیثیت کا غریب آدمی دعوت دے رہا ہے تو اس کو ٹال دیا، بلکہ غریب آدمی اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی دعوت قبول کی جائے۔

دال اور خشکے میں نورانیت

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار یہ واقعہ سنا کہ دیوبند میں ایک صاحب گھسیارے تھے، یعنی گھاس کاٹ کر بازار میں فروخت کرتے اور اس کے ذریعے اپنا گزر بسر کرتے تھے اور ایک ہفتے میں ان کی آمدنی چھ پیسے ہوتی تھی۔ اکیلے آدمی تھے اور اس آمدنی کو وہ اس طرح تقسیم کرتے تھے کہ اس میں سے دو پیسے اپنے کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے تھے اور دو پیسے اللہ کی راہ میں صدقہ کیا کرتے تھے اور دو پیسے جمع کرتے تھے اور ایک دو ماہ بعد جب کچھ پیسے جمع ہو جاتے تو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے جو بڑے بڑے بزرگ اساتذہ تھے ان کی دعوت کیا کرتے تھے اور دعوت میں خشک چاول اہال لیتے اور اس کے ساتھ دال پکالیتے اور اساتذہ کو کھلا دیتے تھے۔ میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں پورے مہینے ان صاحب کی دعوت کا انتظار رہتا ہے، اس لیے کہ ان صاحب کے خشکے اور دال کی دعوت میں جو نورانیت محسوس ہوتی ہے وہ نورانیت پلاؤ اور بریانی کی بڑی بڑی دعوتوں میں محسوس نہیں ہوتی۔

دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“

لہذا دعوت کی حقیقت ”محبت کا اظہار“ ہے اور اس کے قبول کرنے کی بھی حقیقت ”محبت کا اظہار“ ہے۔ اگر محبت سے کسی نے تمہاری دعوت کی ہے تو محبت سے تم قبول کر لو۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا کہ کبھی کسی کی دعوت کو رد نہیں فرماتے، دعوت دینے والا چاہے معمولی آدمی کیوں نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی شخص کی دعوت پر آپ نے میلوں کا سفر کیا تو دعوت کی حقیقت یہ ہے کہ محبت سے کی جائے اور محبت سے قبول کی جائے، اخلاص سے دعوت کی جائے، اخلاص سے قبول کی جائے، تب یہ دعوت نورانیت رکھتی ہے، سنت بھی ہے اور باعثِ اجر و ثواب بھی ہے۔

دعوت یا عداوت

لیکن آج کل ہماری دعوتیں رسموں کے تابع ہو کر رہ گئی ہیں۔ رسم کے موقع پر دعوت ہوگی، اس کے علاوہ نہیں ہوگی، اب اگر دعوت قبول کرے تو مصیبت، قبول نہ کرے تو مصیبت، اسی لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت ہو، عداوت نہ ہو، یعنی ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ وہ دعوت اس کے لیے عذاب اور مصیبت بن جائے۔ جیسا بعض لوگ کرتے ہیں، ان کے دماغ میں یہ بات آگئی کہ فلاں کی دعوت کرنی چاہیے، نہ اس بات کا خیال کیا کہ ان کے پاس وقت ہے یا نہیں؟ مگر بار بار دعوت قبول کرنے پر اصرار کر رہے ہیں، چاہے اس دعوت کی خاطر کتنی ہی مصیبت اٹھانی پڑے۔ یہ دعوت نہیں، بلکہ یہ تو اس کے ساتھ عداوت اور دشمنی ہے۔ دعوت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس کی دعوت کر رہے

ہو، اس کو راحت پہنچانے کی فکر کرو، اس کو آرام پہنچانے کی فکر کرو، نہ یہ کہ اس پر مصیبت ڈال دو۔

اعلیٰ درجے کی دعوت

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دعوت کی تین قسمیں ہوتی ہیں، ایک سب سے اعلیٰ، دوسرے متوسط، تیسرے ادنیٰ۔ آج کل کے ماحول میں سب سے اعلیٰ دعوت یہ ہے کہ جس کی دعوت کرنی ہو اس کو جا کر نقد ہدیہ پیش کر دو اور نقد ہدیہ پیش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کوئی تکلیف تو اٹھانی نہیں پڑے گی اور پھر نقد ہدیہ میں اس کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے اس کو کھانے پر صرف کرے یا کسی اور ضرورت میں صرف کرے، اس سے اس شخص کو زیادہ راحت اور فائدہ ہوگا اور تکلیف اس کو ذرہ برابر بھی نہیں ہوگی، اس لیے یہ دعوت سب سے اعلیٰ ہے۔

متوسط درجے کی دعوت

دوسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ جس شخص کی دعوت کرنا چاہتے ہو، کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دو۔ یہ دوسرے نمبر پر اس لیے ہے کہ کھانے کا قصد ہوا اور اس کو کھانے کے علاوہ کوئی اور اختیار نہیں رہا، البتہ اس کھانے پر اس کو کوئی زحمت اور تکلیف نہیں اٹھانی پڑی۔ آپ نے گھر بلانے کی زحمت اس کو نہیں دی، بلکہ گھر پر ہی کھانا پہنچا دیا۔

ادنیٰ درجے کی دعوت

تیسرے نمبر کی دعوت یہ ہے کہ اس کو اپنے گھر بلا کر کھانا کھلاؤ۔ آج کل کے شہری ماحول میں، جہاں زندگیاں مصروف ہیں، فاصلے زیادہ ہیں، اس میں اگر آپ کسی شخص کو دعوت دیں اور وہ تیس میل کے فاصلے پر رہتا ہے، تو آپ کی دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے نکلے، پچاس روپے خرچ کرے اور پھر تمہارے یہاں آ کر کھانا کھائے، تو یہ آپ نے اس کو راحت پہنچائی یا تکلیف میں ڈال دیا؟ لیکن اگر اس کے بجائے کھانا پکا کر اس کے گھر بھیج دیتے یا اس کو نقد رقم دے دیتے، اس میں اس کے ساتھ زیادہ خیر خواہی ہوتی۔

دعوت کا انوکھا واقعہ

ہمارے ایک بزرگ گزرے ہیں، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس اللہ سرہ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ میرے والد ماجد رحمہ اللہ کے بہت گہرے دوستوں میں سے تھے، لاہور میں قیام تھا۔ ایک مرتبہ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم کورنگی میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے بھی تشریف لائے، چونکہ اللہ والے بزرگ تھے اور والد صاحب کے بہت مخلص دوست تھے۔ اس لیے ان کی ملاقات سے والد صاحب بہت خوش ہوئے، صبح دس بجے کے قریب دارالعلوم پہنچے تھے۔ والد صاحب نے ان سے پوچھا کہ کہاں قیام ہے؟ فرمایا کہ آگرہ کالونی میں ایک صاحب کے یہاں قیام ہے۔ کب واپس تشریف لے جائیں گے؟ فرمایا کل ان شاء اللہ واپس لاہور

روانہ ہو جاؤں گا۔ بہر حال! کچھ دیر بات چیت اور ملاقات کے بعد جب واپس جانے لگے تو والد صاحب نے ان سے فرمایا کہ بھائی مولوی ادریس! تم اتنے دنوں کے بعد یہاں آئے تو میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری دعوت کروں، لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارا قیام آگرہ تاج کالونی میں ہے اور میں یہاں کورنگی میں رہتا ہوں۔ اب اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ فلاں وقت میرے یہاں آ کر کھانا کھائیں تب تو آپ کو میں مصیبت میں ڈال دوں گا، اس لیے کل آپ کو واپس جانا ہے۔ کام بہت سے ہوں گے اس لیے دل اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ آپ کو دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف دوں، لیکن یہ بھی مجھے گوارا نہیں ہے کہ آپ تشریف لائیں اور بغیر دعوت کے آپ کو روانہ کر دوں۔ اس لیے میری طرف سے دعوت کے بدلے یہ سو روپے ہدیہ رکھ لیں۔ مولانا ادریس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سو روپے کا نوٹ اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ تو آپ نے مجھے بہت بڑی نعمت عطا فرمادی۔ آپ کی دعوت کا شرف بھی حاصل ہو گیا اور کوئی تکلیف بھی اٹھانی نہیں پڑی اور پھر اجازت لے کر روانہ ہو گئے۔

محبت کا تقاضا "راحت رسائی"

یہ ہے بے تکلفی اور راحت رسائی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ یہ کہتا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ لاہور سے کراچی تشریف لائیں اور میرے گھر دعوت کھائے بغیر چلے جائیں، اس وقت آپ واپس جائیں اور دوسرے وقت تشریف لائیں اور کھانا کھا کر جائیں، چاہے اس کے لیے سو مصیبتیں اٹھانی پڑیں۔ اور مولانا ادریس صاحب کی جگہ کوئی اور ہوتا وہ یہ کہتا کہ میں تمہاری دعوت کا بھوکا ہوں، میں فقیر ہوں، جو تم مجھے پیسے دے رہے ہو کہ اس

کا کھانا کھا لینا۔ یاد رکھو۔ محبت کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے اس کو راحت اور آرام پہنچانے کی کوشش کی جائے نہ یہ کہ اس کو تکلیف میں ڈالا جائے۔ میرے بڑے بھائی ذکی کیفی مرحوم اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ شعر بہت اچھے کہا کرتے تھے، ان کا ایک بہت خوبصورت شعر ہے کہ۔

میرے محبوب مری ایسی وفا سے توبہ

جو ترے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

ایسی وفاداری اور ایسا اظہار محبت جس سے تکلیف ہو، جس سے دل میں کدورت پیدا ہو جائے، میں ایسی وفاداری اور محبت سے توبہ کرتا ہوں۔ جب بھائی صاحب نے یہ شعر کہا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے اس شعر نے بدعت کی جڑ کاٹ دی، اس لیے ساری بدعات اسی سے پیدا ہوتی ہیں کہ آدمی اپنی طرف سے وفاداری کے طریقے گھڑ کر اس پر عمل شروع کر دیتا ہے اور اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وفاداری کا یہ طریقہ میرے محبوب کے دل کی کدورت کا سبب بن رہا ہے۔

دعوت کرنا ایک فن ہے

بہر حال! دعوت کرنا بھی ایک فن ہے، ایسی دعوت کرو جس سے واقعی راحت پہنچے، جس سے آرام ملے، نہ یہ کہ دوسرے کے لیے تکلیف کا سبب بن جائے۔ دوسرے یہ کہ دعوت کا منشا تو محبت کا اظہار ہے، محبت کے تقاضے پر عمل کرنا ہے۔ اس دعوت کا رسموں سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً یہ رسم ہے کہ عقیقے کے

موقع پر دعوت کی جاتی ہے یا تیجے دسویں اور چالیسویں کے موقع پر دعوت کی جاتی ہے اس رسم کے موقع پر دعوت کریں گے فلاں کو بلائیں گے یاد رکھیے، ان رسمی دعوتوں کا حضور اقدس ﷺ کی سنت سے کوئی تعلق نہیں، دعوت تو وہ ہے جو کھلے دل سے کسی قید اور شرط کے بغیر کسی رسم کے بغیر آدمی دوسرے کی دعوت کرے۔

یہ باتیں تو دعوت کرنے کے بارے میں تھیں، جہاں تک دعوت قبول کرنے کا تعلق ہے اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے، لیکن دعوت قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دعوت قبول کرنے والے کے پیش نظر اس کی محبت اور قدر دانی ہو اور اس کے پیش نظر یہ نہ ہو کہ اگر میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوا تو خاندان میں میری ناک کٹ جائے گی، اگر اس خیال کے ساتھ شریک ہوا تو پھر وہ دعوت قبول کرنا مسنون نہیں رہے گا، یہ دعوت مسنون اس وقت ہوگی جب شرکت سے پیش نظر یہ ہو کہ میرے جانے سے اس کا دل خوش ہو جائے گا۔

دعوت قبول کرنے کی شرط

پھر دعوت قبول کرنے کی ایک شرط ہے، وہ یہ کہ دعوت قبول کرنا اس وقت سنت ہے جب اس دعوت کو قبول کرنے کے نتیجے میں آدمی کسی مصیبت اور گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ مثلاً ایک ایسی جگہ کی دعوت قبول کر لی جہاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، اب ایک سنت پر عمل کرنے کے لیے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا جا رہا

ہے، ایسی دعوت قبول کرنا سنت نہیں۔ آج کل اکثر دعوتیں ایسی ہیں جن میں یہ مصیبت پائی جاتی ہے، ان میں معصیتیں ہو رہی ہیں، منکرات ہو رہے ہیں، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ شادی کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے ”ولیمہ مسنونہ“ یہ تو معلوم ہے کہ ولیمہ کرنا سنت ہے، لیکن کس طرح یہ ولیمہ مسنونہ کیا جائے؟ اس کا کیا طریقہ ہے؟ یہ معلوم نہیں۔ چنانچہ ولیمہ مسنونہ کے اندر بے پردگی ہو رہی ہے، مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہے، گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہے۔

کب تک ہتھیار ڈالو گے؟

یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لیے کہ ہم لوگ ان رسموں اور گناہوں کے سامنے ہتھیار ڈالتے ڈالتے اب اس مقام تک پہنچ گئے کہ مفاسد، گناہ، منکرات معاشرے میں پھیل کر رائج ہو گئے ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی اللہ کا بندہ اسٹینڈ لے کر خاندان والوں سے یہ کہتا ہے کہ اگر اس گناہ کا ارتکاب ہوگا تو میں اس دعوت میں شریک نہیں ہوں گا، تو اس بات کی امید تھی کہ اتنی تیزی سے منکرات نہ پھیلے۔ آج جب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جس دعوت میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو، اس میں شرکت مت کرو تو لوگ یہ جواب دیتے ہیں کہ ”اگر ہم نے شرکت نہ کی تو خاندان سے اور معاشرے سے کٹ جائیں گے۔“ میں کہتا ہوں کہ ”اگر گناہوں سے بچنے کے لیے اللہ کی خاطر خاندان سے کٹنا پڑے تو کٹ جاؤ، یہ کٹنا تمہارے لیے مبارک ہے اور اگر کوئی تمہاری دعوت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ تمہارے اصول کا بھی کچھ خیال کرے، جو شخص تمہارے اصول کا خیال نہیں رکھتا اس کی دعوت قبول کرنا تمہارے ذمے کوئی ضروری نہیں۔“



اگر ایک مرتبہ کچھ لوگ اسٹینڈ لے لیں اور اپنے خاندان والوں سے صاف صاف کہہ دیں کہ ہم مردوں اور عورتوں کی مخلوط دعوتوں میں شریک نہیں ہوں گے۔ اگر ہمیں بلانا چاہتے ہو تو مردوں اور عورتوں کا انتظام الگ کرو، پھر دیکھو گے کہ کچھ عرصے کے اندر اس کی بہت اصلاح ہو سکتی ہے۔ ابھی یہ سیلاب اتنا آگے نہیں بڑھا، لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو آدمی دین پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ یہ بات کہتے ہوئے شرماتا ہے، وہ اس سے ڈرتا ہے کہ اگر میں نے یہ بات کہی تو لوگ مجھے بیک ورڈ (Back Word) سمجھیں گے، پسماندہ اور رجعت پسند سمجھیں گے اور اس کے برخلاف جو شخص بے دینی اور آزادی کے راستے پر چلتا ہے وہ سینہ تان کر فخر کے ساتھ اپنی آزادی اور بے دینی کی طرف دعوت دیتا ہے۔

اب تو شادی اور دیگر تقریبات کی دعوتوں میں یہاں تک نوبت آگئی ہے کہ نوجوان لڑکیاں مردوں کے سامنے رقص کرنے لگی ہیں، مگر پھر بھی ایسی دعوتوں میں لوگ شریک ہو رہے ہیں۔ کہاں تک اس سیلاب میں بہتے جاؤ گے؟ کہاں تک خاندان والوں کا ساتھ دو گے؟ اگر یہی سلسلہ چلتا رہا تو کوئی بعید نہیں کہ مغربی تہذیب کی لعنتیں ہمارے معاشرے پر بھی پوری طرح مسلط ہو جائیں، کوئی حد تو ہوگی جہاں جا کر تمہیں رکنا پڑے گا۔ اس لیے اپنے لیے کچھ ایسے اصول بنا لو۔ مثلاً جس دعوت میں کھلے منکرات کا ارتکاب ہوگا وہاں ہم شریک نہیں ہوں گے یا جس دعوت میں مخلوط اجتماع ہوگا ہم شریک نہیں ہوں گے اگر اب بھی اللہ کے کچھ بندے اسٹینڈ لے لیں تو اس سیلاب پر بند لگ سکتا ہے۔

پرودہ دار خاتون اچھوت بن جائے؟

بعض اوقات لوگ یہ سوچتے ہیں کہ تقریبات میں پرودہ کرنے والی عورتیں

اکا دکا ہی ہوتی ہیں تو ان کے لیے ہم علیحدہ انتظام کر دیں گے۔ ذرا سوچو، کیا تم اس پردہ دار خاتون کو اچھوت بنانا چاہتے ہو؟ وہ سب سے الگ اچھوت بن کر بیٹھی رہے، اگر ایک بے پردہ عورت ہے، وہ اگر مردوں سے الگ پردہ میں ہو جائے تو اس کا کیا نقصان ہوا؟ لیکن ایک پردہ دار بے پردہ ہو کر مردوں کے سامنے چلی جائے گی تو اس کا تو دین غارت ہو جائے گا اس لیے مردوں اور عورتوں کے الگ انتظام کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہے، بس صرف توجہ دینے کی بات ہے، صرف اہتمام کرنے اور اس پر ڈٹ جانے کی بات ہے۔

دعوت قبول کرنے کا شرعی حکم

اور شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جس دعوت کے بارے میں پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا اور اندیشہ یہ ہو کہ میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، اس دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں اور جس دعوت کے بارے میں یہ خیال ہو کہ اس دعوت میں فلاں گناہ ہوگا، لیکن میں اپنے آپ کو اس گناہ سے بچا لوں گا، ایسی دعوت میں عام آدمی کو شرکت کی گنجائش ہے، لیکن جس آدمی کی طرف لوگوں کی نگاہیں ہوتی ہیں اور جن کی لوگ اقتداء کرتے ہیں ایسے آدمی کے لیے کسی حال میں ایسی دعوت میں شرکت کرنا جائز نہیں اور یہ دعوت قبول کرنے کا اہم اصول ہے۔ دعوت قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اس کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے۔

دعوت کے لیے نفلی روزہ توڑنا

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی فرمادیا کہ جس شخص کی

دعوت کی گئی ہے اگر وہ روزہ دار ہے اور روزے کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتا تو وہ میزبان کے حق میں دعا کر دے۔ فقہاء کرام نے تو بعض احادیث (۱) کی روشنی میں یہاں تک لکھا ہے کہ اگر نفل روزہ کسی نے رکھا ہے اور اس کی کسی مسلمان نے دعوت کر دی تو اب مسلمان کی دعوت قبول کرنے کے لیے اور اس کا دل خوش کرنے کے لیے نفل روزہ توڑ دے تو اس کی بھی اجازت ہے بعد میں اس روزے کی قضا کر لے، لیکن اگر روزہ توڑنا نہیں چاہتا تو کم از کم اس کے حق میں دعا کرے۔

بن بلائے مہمان کا حکم

”عن ابی مسعود البدری رضی اللہ عنہ قال: دعا رجل
النبي ﷺ لطعام صنع له خامس خمسة، فتبعهم
رجل، فلما بلغ الباب قال النبي ﷺ ان هذا قد
تبعنا، فان شئت ان تاذن وان شئت رجع، قال: بل
أذن له يارسول الله“ (۲)

حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور آپ کے ساتھ چار افراد کی بھی دعوت کی۔ سادگی کا زمانہ تھا اس لیے بسا اوقات جب کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی

(۱) ملاحظہ ہو مسند الطیالسی ۶۵۵/۳ (۲۳۱۷) والسنن الکبری للبیہقی ۶۶۲/۴ (۸۳۶۲)

وأوردہ الحافظ فی ”الفتح“ ۲۱۰/۴ معزو للبیہقی، وقال: وإسناده حسن.

(۲) صحیح البخاری ۵۸/۳ (۲۰۸۱) و ۱۳۱/۳ (۲۴۵۶) و صحیح مسلم ۱۶۰۸/۳ (۲۰۳۶).

دعوت کرتا تو عام طور پر وہ حضور ﷺ سے یہ بھی کہہ دیتا کہ آپ اپنے ساتھ مزید تین افراد کو بھی لے آئیں یا چار افراد کو لے آئیں، چنانچہ ان صاحب نے پانچ افراد کی دعوت کی تھی۔ ایک حضور اقدس ﷺ اور چار صحابہ کرام، جب حضور اقدس سرور دو عالم ﷺ دعوت میں جانے لگے تو ایک صاحب اور ساتھ ہو لے جیسے بزرگوں کے بعض معتقدین ہوتے ہیں کہ جو بزرگوں کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ جب حضور اقدس ﷺ میزبان کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے میزبان سے فرمایا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ آگئے ہیں، ان کو آپ نے دعوت نہیں دی تھی، اب اگر آپ کی اجازت ہو تو یہ اندر آجائیں اگر اجازت نہ ہو تو یہ واپس چلے جائیں۔ میزبان نے کہا: یا رسول اللہ! میں اجازت دیتا ہوں آپ ان کو بھی اندر لے آئیں۔

وہ شخص چور اور لیٹرا ہے

اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ جب کسی کے گھر دعوت میں شرکت کے لیے جاؤ اور اتفاق سے کوئی ایسا شخص تمہارے ساتھ اس دعوت پر آ گیا جس کو دعوت نہیں دی گئی تو میزبان کو اس کے آنے کی اطلاع کر دو اور پھر اس کی اجازت کے بعد اس کو دعوت میں شریک کرو، کیونکہ ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی دعوت میں بن بلائے شرکت کر لے تو وہ شخص چور بن کر داخل ہوا اور لیٹرا بن کر نکلا^(۱)۔

(۱) سنن ابی داؤد ۳/۳۴۱ (۳۷۴۱) قال ابو داؤد: ابان بن طارق مجھول، وقال للنذري في "مختصره" ۳/۴۳۹ (۳۵۹۴): في إسنادہ أبان بن طارق البصري، سئل عنه أبو زرعة =

میزبان کے بھی حقوق ہیں

درحقیقت حضور اقدس ﷺ کی یہ تعلیم ایک بہت بڑے اصول کی نشان دہی کرتی ہے جس کو ہم نے بھلا دیا ہے، وہ یہ کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا مہمان بن جائے تو میزبان پر بے شمار حقوق عائد ہو جاتے ہیں کہ وہ اس کا اکرام کرے، اس کی خاطر مدارات کرے وغیرہ، لیکن اس حدیث کے ذریعے سے حضور اقدس ﷺ نے یہ بتا دیا کہ جس طرح مہمان کے حقوق میزبان پر ہیں اسی طرح میزبان کے بھی کچھ حقوق مہمان پر ہیں۔ ان میں سے ایک حق یہ ہے کہ وہ مہمان میزبان کو بلا وجہ تکلیف نہ دے، مثلاً یہ کہ مہمان ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لے جائے جن کی دعوت نہیں ہے، جیسے آج کل کے بعض پیروں، فقیروں کے یہاں ہوتا ہے جب کسی نے پیر صاحب کی دعوت کی تو اب پیر صاحب اکیلے نہیں جائیں گے، بلکہ ان کے ساتھ ایک لشکر بھی میزبان کے گھر پر حملہ آور ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس میزبان کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ اتنے مہمان آئیں گے جب اچانک وقت پر اتنا بڑا لشکر پہنچ جاتا ہے تو اب میزبان کے لیے ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے۔

اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص چور بن کر داخل ہوا اور لیٹا بن کر نکلا۔ البتہ جہاں بے تکلفی کا معاملہ ہو اور یقین سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر میں اس کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا تو میزبان اور زیادہ خوش ہو جائے گا،

= الرازی، فقال: شیخ مجہول، وقال أبو أحمد بن عدى: وأبان بن طارق لا يعرف إلا بهذا الحديث، وهذا الحديث معروف به، وليس له أنكر من هذا الحديث، وفي إسناده أيضاً درست بن زياد، ولا يحتج بحديثه، ويقال: هو درست بن حمزة، وقيل بل هما اثنان ضعيفان. وشعب الإبان للبيهقي ١٥٢/١٢ (٩٢٠٠-٩٢٠١).

ایسے مواقع پر ساتھ لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ جہاں ذرا بھی تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو وہاں پہلے سے بتانا واجب ہے۔

پہلے سے اطلاع کرنی چاہیے

اسی طرح میزبان کا ایک حق یہ ہے کہ جب تم کسی کے یہاں مہمان بن کر جانا چاہتے ہو تو پہلے سے اس کو اطلاع کر دو یا کم از کم ایسے وقت میں جاؤ کہ وہ کھانے کا انتظام آسانی کے ساتھ کر سکے، کیونکہ اگر تم عین کھانے کے وقت کسی کے گھر پہنچ گئے تو اس کو فوری طور پر کھانے کا انتظام کرنے میں تکلیف اور مشقت ہوگی، لہذا ایسے وقت میں جانا ٹھیک نہیں یہ میزبان کا حق ہے۔

مہمان بلا اجازت روزہ نہ رکھے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیے کہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کو بتائے بغیر روزہ رکھے (۱)، اس لیے کہ جب تم نے اس کو بتایا نہیں کہ آج میں روزہ رکھوں گا اس کو تو یہ معلوم ہے کہ تم اس کے مہمان ہو، اس لیے وہ تمہارے لیے ناشتے کا بھی

(۱) سنن الترمذی ۱۴۷/۲ (۷۸۹) وقال: هذا حديث منكر، لانعرف أحدًا من الثقات روى هذا الحديث، عن هشام بن عروة، وقد روى موسى بن داود، عن أبي بكر اللدني، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، عن النبي ﷺ، نحوًا من هذا. وهذا حديث ضعيف أيضا، وأبو بكر ضعيف عند أهل الحديث، وأبو بكر اللدني الذي روى عن جابر بن عبد الله اسمه الفضل بن مبشر، وهو أوثق من هذا وأقدم. وسنن ابن ماجه ۲۳۷/۳ (۱۷۶۳)۔

انتظام کرے گا۔ دوپہر کے کھانے کا بھی انتظام کرے گا، اب جب اس نے سب انتظام کر لیا تو عین وقت پر تم نے اس سے کہا کہ میرا تو روزہ ہے، اس کی محنت بے کار گئی اس کے مصارف بے کار گئے اور اس کو تم نے تکلیف بھی پہنچائی اس لیے حکم یہ ہے کہ میزبان کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا جائز نہیں، لہذا جس طرح مہمان کے حقوق ہیں اسی طرح میزبان کے بھی حقوق ہیں۔

مہمان کو کھانے کے وقت پر حاضر رہنا چاہیے

یا مثلاً میزبان کے یہاں کھانے کا وقت مقرر ہے اور تم اس وقت غائب ہو گئے اور وہ تم کو تلاش کرتا پھر رہا ہے اور اب وہ بے چارہ مہمان کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتا۔ اس لیے اصول یہ ہے کہ مہمان کو چاہیے کہ اگر کسی وقت کھانا نہ کھانا ہو یا دیر ہو جانے کا امکان ہو تو پہلے سے میزبان کو بتا دو کہ آج میں کھانے پر دیر سے آؤں گا۔ تاکہ اس کو تلاش اور انتظام کی تکلیف نہ ہو۔

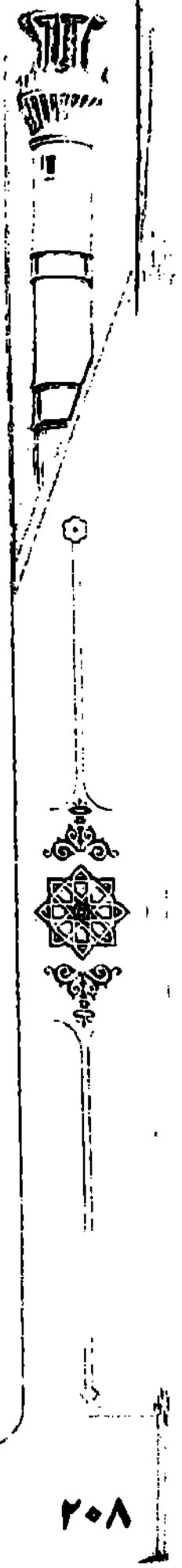
میزبان کو تکلیف دینا گناہ کبیرہ ہے

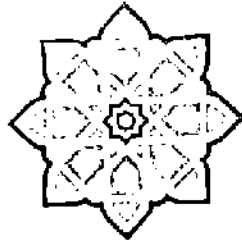
دین صرف نماز روزے کا اور ذکر و تسبیح کا نام نہیں یہ سب باتیں دین کا حصہ ہیں۔ ہم نے اس کو دین سے خارج کر دیا ہے بڑے بڑے دین دار، بڑے بڑے تہجد گزار، اشراق اور چاشت پڑھنے والے بھی معاشرت کے ان آداب کا لحاظ نہیں کرتے، جس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! اگر ان آداب کا لحاظ نہ کرنے کے نتیجے میں میزبان کو تکلیف ہوگی تو ایک مسلمان کو تکلیف پہنچانے کا گناہ کبیرہ اس مہمان کو ہوگا۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہنچانا ایسے ہی گناہ کبیرہ ہے جیسے شراب پینا، چوری کرنا، زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے، لہذا اگر تم نے اپنے کسی عمل سے میزبان کو تکلیف میں مبتلا کر دیا تو یہ ایذا مسلم ہوئی یہ سب گناہ کبیرہ ہے۔ یہ ساری باتیں اس اصول میں داخل ہیں جو حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں بتا دیا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین







سلام کرنے کے آداب

(اصلاحی خطبات ۶/۱۸۲)

سلام کرنے کے آداب

پہلے

مذہبِ عثمانی



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سلام کرنے کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتَوَكَّلُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَمَا بَعْدُ!

”عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: أمرنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم بسبع: عيادة المريض واتباع الجنائز،
وتشميت العاطس، ونصر الضعيف، وعون
المظلوم، وإفشاء السلام، وإبرار المقسم“ (1)

(1) صحيح البخاری ۱۲۹/۳ (۲۴۵) و ۲۴/۷ (۵۱۷۵) وصحیح مسلم ۱۶۳۵/۳ (۲۰۶۶)۔

سات باتوں کا حکم

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا: ① مریض کی عیادت کرنا ② جنازوں کے پیچھے چلنا ③ چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا ④ کمزور آدمی کی مدد کرنا ⑤ مظلوم کی امداد کرنا، ⑥ سلام کو رواج دینا، ⑦ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

ان سات میں سے الحمد للہ پانچ چیزوں کا بیان ہو چکا، چھٹی چیز ہے سلام کو رواج دینا اور آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام کرنا۔ سلام کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایسا مقرر فرمایا ہے جو ساری دوسری قوموں سے بالکل ممتاز ہے۔ ہر قوم کا یہ دستور ہے کہ جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں، کوئی ”ہیلو“ کہتا ہے، کوئی ”گڈ مارنگ“ کہتا ہے، کوئی ”گڈ ایوننگ“ کہتا ہے، کوئی ”نمستے“ کہتا ہے، کوئی ”نمسکار“ کہتا ہے۔ گویا کہ ہر قوم والے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال کرتے ہیں، لیکن اللہ جل جلالہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے جو لفظ تجویز فرمایا ہے وہ تمام الفاظ سے نمایاں اور ممتاز ہے وہ ہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“۔

سلام کرنے کا فائدہ

دیکھیے: اگر آپ نے کسی سے ملاقات کے وقت ”ہیلو“ کہہ دیا تو آپ کے اس لفظ سے اس کو کیا فائدہ ہوا؟ دنیا کا کوئی فائدہ ہوا؟ یا آخرت کا کوئی فائدہ ہوا؟ ظاہر ہے کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا، لیکن اگر آپ نے ملاقات کے وقت یہ الفاظ

کہے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں، تو ان الفاظ سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ نے ملاقات کرنے والے کو تین دعائیں دے دیں اور اگر آپ نے کسی کو "Good Morning" یا "Good Evening" کہا، یعنی صبح بخیر، شام بخیر، تو اگر اس کو دعا کے معنی پر بھی محمول کر لیں تو اس صورت میں آپ نے جو اس کو دعا دی، وہ صرف صبح اور شام کی حد تک محدود ہے کہ تمہاری صبح اچھی ہو جائے یا تمہاری شام اچھی ہو جائے، لیکن اسلام نے ہمیں جو کلمہ سکھایا۔ وہ ایسا جامع کلمہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی کسی مخلص مسلمان کا سلام اور دعا ہمارے حق میں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو جائے تو ان شاء اللہ ساری گندگی ہم سے دور ہو جائے گی اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہو جائے گی۔ یہ نعمت آپ کو دنیا کی دوسری قوموں میں نہیں ملے گی۔

سلام اللہ کا عطیہ ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ جاؤ اور فرشتوں کی جو جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو اور وہ فرشتے جو جواب دیں اس کو سنا، اس لیے کہ وہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے جا کر سلام کیا، "السلام علیکم" تو فرشتوں نے جواب میں کہا: "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" چنانچہ فرشتوں نے لفظ "رحمۃ اللہ" بڑھا کر جواب دیا (۱)۔ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرح عطا فرمائی۔ اگر ذرا غور کریں تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حد و حساب ہی نہیں۔

(۱) صحیح البخاری ۵۰/۸ (۶۲۲۷)۔

اب اس سے زیادہ ہماری بد نصیبی کیا ہوگی کہ اس اعلیٰ ترین کلمے کو چھوڑ کر ہم اپنے بچوں کو ”کڈ مارنگ“ اور ”کڈ ایوننگ“ سکھائیں اور دوسری قوموں کی نقالی کریں۔ اس سے زیادہ ناقدری، ناشکری اور محرومی اور کیا ہوگی۔

سلام کرنے کا اجر و ثواب

افضل طریقہ یہ ہے کہ ملاقات کے وقت پورا سلام کیا جائے، یعنی ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ صرف ”السلام علیکم“ کہہ دیا تب بھی سلام ہو جائے گا، لیکن تین جملے بولنے میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک صحابی تشریف لائے اور کہا: ”السلام علیکم“ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ”دس“ اس کے بعد دوسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا۔ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”بیس“ اس کے بعد تیسرے صحابی آئے اور آ کر سلام کیا ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ آپ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا ”تیس“۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ ”السلام علیکم“ کہنے میں انسان کو دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہنے میں بیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے اور ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہنے میں تیس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، اگرچہ سلام کی سنت صرف ”السلام علیکم“ کہنے سے ادا ہو جاتی ہے۔ دیکھیے: ان الفاظ میں دعا بھی ہے اور اجر و ثواب الگ ہے۔ (۱)

(۱) سنن ابی داؤد ۴/۲۵۰ (۵۱۹۵) و سنن الترمذی ۴/۴۲۰ (۲۶۸۹) وقال هذا حدیث حسن صحیح۔

اور جب سلام کیا جائے تو صاف الفاظ میں سلام کرنا چاہیے، الفاظ بگاڑ کر مسخ کر کے سلام نہیں کرنا چاہیے، بعض لوگ اس طرح سلام کرتے ہیں کہ جس کی وجہ سے پوری طرح سمجھ نہیں آتا کہ کیا الفاظ کہے؟ اس لیے پوری طرح واضح کر کے ”السلام علیکم“ کہنا چاہیے۔

سلام کے وقت یہ نیت کر لیں

ایک بات میں اور غور کیجیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو کلمہ تلقین فرمایا وہ ہے ”السلام علیکم“ جو جمع کا صیغہ ہے۔ ”السلام علیک“ نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ ”السلام علیک“ کے معنی ہیں: ”تجھ پر سلامتی ہو“ اور السلام علیکم کے معنی ہیں کہ ”تم پر سلامتی ہو۔“ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح ہم لوگ اپنی گفتگو میں ”تو“ کے بجائے ”تم“ یا ”آپ“ کے لفظ سے خطاب کرتے ہیں جس کے ذریعے مخاطب کی تعظیم مقصود ہوتی ہے، اسی طرح ”السلام علیکم“ میں جمع کا لفظ مخاطب کی تعظیم کے لیے لایا گیا ہے۔

لیکن بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اس لفظ سے ایک تو مخاطب کی تعظیم مقصود ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تم کسی کو سلام کرو تو سلام کرتے وقت یہ نیت کرو کہ میں تین افراد پر سلام کرتا ہوں۔ ایک اس شخص کو اور دو ان فرشتوں کو سلام کرتا ہوں جو اس کے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ جن کو ”کراماتین“ کہا گیا ہے۔ ایک فرشتہ انسان کی نیکیاں لکھتا ہے، دوسرا فرشتہ اس کی برائیاں لکھتا ہے، اس لیے سلام کرتے وقت ان کی بھی نیت کر لو، تاکہ تمہارا سلام تین افراد کو ہو جائے اور اب ان شاء اللہ تین افراد کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا اور جب تم فرشتوں کو سلام کرو گے تو وہ تمہارے سلام کا ضرور جواب بھی

دیں گے اور اس طرح ان فرشتوں کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ کی معصوم مخلوق ہیں۔

نماز میں سلام پھیرتے وقت کی نیت

اسی وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ نماز کے اندر جب آدمی سلام پھیرے تو داہنی طرف سلام پھیرتے وقت یہ نیت کر لے کہ میرے دائیں جانب جتنے مسلمان اور جتنے فرشتے ہیں ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں اور جب بائیں جانب سلام پھیرے تو اس وقت یہ نیت کر لے کہ میرے بائیں جانب جتنے مسلمان اور فرشتے ہیں ان سب پر سلامتی بھیج رہا ہوں اور پھر یہ ممکن نہیں ہے کہ تم فرشتوں کو سلام کرو اور وہ جواب نہ دیں۔ وہ ضرور جواب دیں گے اور اس طرح ان کی دعائیں تمہیں حاصل ہو جائیں گی، لیکن ہم لوگ بے خیالی میں سلام پھیر دیتے ہیں اور نیت نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اس عظیم فائدے اور ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جواب سلام سے بڑھ کر ہونا چاہیے

سلام کی ابتداء کرنا بڑا اجر و ثواب کا موجب ہے اور سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا^(۱)

فرمایا کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس کے سلام سے بڑھ کر جواب

(۱) سورة النساء آیت (۸۶)۔

دو، کم از کم ویسا جواب دو جیسا اس نے سلام کیا۔ مثلاً کسی نے ”السلام علیکم“ کہا تو تم جواب میں ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کہو، تاکہ جواب سلام سے بڑھ کر ہو جائے ورنہ کم از کم ”وعلیکم السلام“ ہی کہہ دو تاکہ جواب برابر ہو جائے۔

مجلس میں ایک مرتبہ سلام کرنا

اگر مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے ہیں اور ایک شخص اس مجلس میں آئے، تو وہ آنے والا شخص ایک مرتبہ سب کو سلام کر لے تو یہ کافی ہے اور مجلس میں سے ایک شخص اس کے سلام کا جواب دے دے تو سب کی طرف سے واجب ادا ہو جاتا ہے، ہر ایک کو علیحدہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

ان مواقع پر سلام کرنا جائز نہیں

سلام کرنا بہت سی جگہ پر ناجائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص دوسرے لوگوں سے کوئی دین کی بات کر رہا ہو اور دوسرے لوگ سن رہے ہوں تو اس وقت آنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ سلام کیے بغیر مجلس میں بیٹھ جانا چاہیے اسی طرح اگر ایک شخص تلاوت کر رہا ہے اس کو بھی سلام کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح ذکر کرنے والے کو سلام کرنا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کسی کام میں مشغول ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ تمہارے سلام کا جواب دینے سے اس کے کام میں حرج ہوگا ایسی صورت میں سلام کرنے کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس لیے ایسے مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہیے۔^(۱)

(۱) ملاحظہ ہو الدر المختار مع رد المحتار ۱/۶۱۷-۶۱۸۔ طبع دار الفکر۔

دوسرے کے ذریعے سلام بھیجنا

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کا سلام پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے اور دوسرے شخص کے ذریعے سلام بھیجنا بھی سنت ہے اور یہ بھی سلام کے قائم مقام ہے اور اس کے ذریعے بھی سلام کی فضیلت حاصل ہو جاتی ہے، لہذا جب کسی کو دوسرے کا سلام پہنچایا جائے تو اس کے جواب کا مسنون طریقہ یہ ہے ”عَلَيْهِمْ وَعَلَيْكُمْ السَّلَام“ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر بھی سلامتی ہو، جنہوں نے سلام بھیجا اور تم پر بھی سلامتی ہو اس میں دو سلام اور دعائیں جمع ہو گئیں اور دو آدمیوں کو دعا دینے کا ثواب مل گیا۔

بعض لوگ اس موقع پر بھی ”وَعَلَيْكُمْ السَّلَام“ سے جواب دیتے ہیں اس سے جواب تو ادا ہو جائے گا، لیکن صحیح جواب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس صورت میں آپ نے اس شخص کو تو سلامتی کی دعا دے دی جو سلام لانے والا ہے اور وہ شخص جو اصل سلام بھیجنے والا تھا۔ اس کو دعا نہیں دی، اس لیے جواب دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ”عَلَيْهِمْ وَعَلَيْكُمْ السَّلَام“ کہہ کر جواب دیا جائے۔

تحریری سلام کا جواب واجب ہے

اگر کسی کے پاس کسی شخص کا خط آئے اور اس خط میں ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ لکھا ہو تو اس کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا کہ اس سلام کا تحریری جواب دینا چونکہ واجب ہے اس لیے خط کا جواب دینا بھی واجب ہے۔ اگر خط کے ذریعے اس کے سلام کا جواب اور اس کے خط کا جواب نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا کہ جیسے کوئی شخص آپ کو سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں، لیکن بعض

دوسرے علماء نے فرمایا کہ اس خط کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ خط کا جواب دینے میں پیسے خرچ ہوتے ہیں اور کسی انسان کے حالات بعض اوقات اس کے متحمل نہیں ہوتے کہ وہ پیسے خرچ کرے، اس لیے اس خط کا جواب دینا واجب تو نہیں، لیکن مستحب ضرور ہے، البتہ جس وقت خط کے اندر سلام کے الفاظ پڑھے، اس وقت زبان سے اس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اگر خط پڑھتے وقت بھی زبان سے سلام کا جواب نہ دیا اور نہ خط کا جواب دیا تو اس صورت میں ترک واجب کا گناہ ہوگا۔ اس میں ہم سے کتنی کوتاہی ہوتی ہے کہ خط آتے ہیں اور پڑھ کر اس کو ویسے ہی ڈال دیتے ہیں، نہ زبانی جواب دیتے ہیں نہ تحریری جواب دیتے ہیں اور مفت میں ترک واجب کا گناہ اپنے نامہ اعمال میں لکھوا لیتے ہیں یہ سب ناواقفیت کی وجہ سے کر لیتے ہیں، اس لیے جب بھی خط آئے تو فوراً زبانی سلام کا جواب دے دینا چاہیے۔

غیر مسلموں کو سلام کرنے کا طریقہ

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں، اگر کسی غیر مسلم سے ملاقات ہو اور اسے سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو سلام کے لیے وہ لفظ استعمال کر لے جو لفظ وہ لوگ خود استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے ملاقات کے وقت ”السلام علیکم“ کہے تو ان کے جواب میں صرف ”ہیجیم“ کہے اور پورا جواب نہ دے اور یہ لفظ کہتے وقت یہ نیت کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو ہدایت کی اور مسلمان بننے کی توفیق ہو^(۱)۔ اس کی

(۱) صحیح البخاری ۵۷/۸ (۶۲۵۸) و ۱۵/۹ (۲۹۳۶) نیز ملاحظہ ہو فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیریہ ۲۲۵/۵ کتاب الکراہیۃ/الباب السابع فی السلام وتشمیت العاطس۔

وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ میں اور اس کے آس پاس بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے یہ قوم ہمیشہ سے شریر قوم ہے۔ چنانچہ جب حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب سامنے آتے تو یہ لوگ خباثت سے کام لیتے ہوئے ان کو سلام کرتے ہوئے کہتے: ”السلام علیکم“ ”لام“ درمیان سے نکال دیتے تھے اب سننے والا جلدی میں یہی سمجھتا کہ اس نے ”السلام علیکم“ کہا ہے۔ ”سام“ کے معنی عربی زبان میں موت اور ہلاکت کے ہیں۔ ”السام علیکم“ کے معنی ہوئے کہ تمہیں موت آجائے اور تم ہلاک اور تباہ ہو جاؤ ظاہر میں تو سلام کرتے اور حقیقت میں بددعا دیتے تھے۔ کچھ روز تک یہ معاملہ چل گیا، لیکن چند روز کے بعد صحابہ نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ جان بوجھ کر درمیان سے لام حذف کر کے ”السام علیکم“ کہتے ہیں^(۱)۔

ایک یہودی کا سلام کرنے کا واقعہ

ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت نے آ کر حضور اقدس ﷺ کو اس طرح سلام کیا: ”السلام علیکم“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو ان کو غصہ آ گیا اور جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”علیکم السلام واللعنة“ یعنی تم پر ہلاکت ہو اور لعنت ہو۔ دو لفظ بول دیے۔ حضور اقدس ﷺ دو عالم ﷺ نے سن لیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ترکی بترکی جواب دیا ہے تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”مهلا يا عائشة“

اے عائشہ! رک جاؤ اور نرمی سے کام لو۔

(۱) صحیح البخاری ۵۷/۸ (۶۷۶)۔

پھر فرمایا:

”ان الله يحب الرفق في الامر كله“

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے گستاخ ہیں کہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے ”السام علیکم“ کہہ رہے ہیں اور ہلاکت کی بدعا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اے عائشہ! کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا؟ جب انہوں نے ”السام علیکم“ کہا تو میں نے جواب میں کہا ”وعلیکم“ مطلب یہ ہے کہ جو بدعائم ہمارے لیے کر رہے ہو اللہ تعالیٰ وہ تمہارے حق میں قبول کرے (۱)۔

لہذا غیر مسلم کے سلام کے جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہنا چاہیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یا عائشہ: ما كان الرفق في شيء إلا زانه ولا نزع عن شيء إلا شانه“ (۲)

اے عائشہ! نرمی جس چیز میں بھی ہوگی اس کو زینت بخشنے گی اور جس چیز سے نکال دی جائے گی اس کو عیب دار کر دے گی۔ اس لیے معاملہ حتی الامکان نرمی سے کرنا چاہیے۔ چاہے مقابلے پر کفار ہی ہوں۔

(۱) صحیح البخاری ۵۷/۸ (۶۲۵۶) و ۱۲/۸ (۶۰۲۴)۔

(۲) صحیح مسلم ۲۰۰۴/۴ (۲۵۹۴)۔

حتی الامکان نرمی کرنا چاہیے

آپ دیکھیے کہ یہودی نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ گستاخی کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو الفاظ جواب میں فرمائے بظاہر وہ انصاف کے خلاف نہیں تھے، لیکن نبی کریم ﷺ نے یہ سکھا دیا کہ میری سنت یہ ہے کہ نرمی کا معاملہ کرو اور صرف اتنی بات زبان سے ادا کرو جتنی ضرورت ہے بلاوجہ اپنی طرف سے بات آگے بڑھا کر سختی کا برتاؤ کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

سلام ایک دعا ہے

بہر حال! یہ ”سلام“ معمولی چیز نہیں، یہ زبردست دعا ہے اور اس کو دعا کی نیت سے کہنا اور سننا چاہیے۔ سچی بات یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کی بھی دعا ہمارے حق میں قبول ہو جائے تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔ اس لیے کہ اس دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں اس سلام کے اندر جمع ہیں، یعنی تم پر سلامتی ہو۔ اللہ کی رحمت ہو اور اللہ کی برکت ہو اس لیے یہ دعا لوگوں سے لینی چاہیے اور اس شوق اور ذوق میں لینی چاہیے کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کی زبان میرے حق میں مبارک کر دے۔

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی حالت

حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے ہیں اور حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے دادا پیر ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں اور حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ حضرت معروف

کرنی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں ہر وقت ذکر اللہ میں مصروف رہتے تھے کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حجام سے حجامت بنوارہے تھے، جب موٹھے بنانے کا وقت آیا تو حجام نے دیکھا کہ زبان حرکت کر رہی ہے اور ہونٹ ہل رہے ہیں۔ حجام نے کہا کہ حضرت! تھوڑی دیر کے لیے منہ بند کر لیجیے۔ تاکہ میں آپ کی موٹھیں بنا لوں حضرت نے جواب دیا کہ تم تو اپنا کام کر رہے ہو میں اپنا کام نہ کروں؟ آپ کا یہ حال تھا کہ ہر وقت زبان پر ذکر جاری تھا۔

حضرت معروف کرنی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ سڑک پر سے گزر رہے تھے۔ راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ لوگوں کو پانی پلا رہا ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے کہ ”اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پیے“ حضرت معروف کرنی رضی اللہ عنہ اس سقے کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ایک گلاس پانی مجھے بھی پلا دو، چنانچہ اس نے دے دیا، آپ نے پانی لے کر پی لیا ایک ساتھی جو ان کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو روزے سے تھے اور آپ نے پانی پی کر روزہ توڑ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا بندہ دعا کر رہا تھا کہ اللہ اس بندے پر رحم کرے جو مجھ سے پانی پی لے، مجھے خیال آیا کہ کیا معلوم اللہ تعالیٰ اس کی دعا میرے حق میں قبول فرمائے، لہذا روزہ جو توڑ دیا اس کی قضا تو بعد میں کر لوں گا، لیکن بعد میں اس بندے کی دعا مجھے مل سکے گی یا نہیں؟ اس لیے میں نے اس بندے کی دعا لینے کے لیے پانی پی لیا۔^(۱)

(۱) حلیۃ الاولیاء لابن نعیم ۸/۳۶۵ طبع دار الکتب العربیہ - بیروت۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ اتنے بڑے اللہ کے ولی، اتنے بڑے بزرگ، اتنے بڑے صوفی، لیکن ایک معمولی سقے کی دعا لینے کے لیے روزہ توڑ دیا۔ کیوں روزہ توڑ دیا؟ اس لیے کہ یہ حضرات اللہ کے بندوں کی دعائیں لینے کے حریص ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں کس کی دعاء کس وقت ہمارے حق میں قبول ہو جائے۔

”شکریہ“ کے بجائے ”جزاکم اللہ“ کہنا چاہیے

اسی وجہ سے ہمارے دین میں ہر ہر موقع کے لیے دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ مثلاً چھینکنے والے کے جواب میں کہو: ”یرحمک اللہ“ اللہ تم پر رحم کرے۔ ملاقات کے وقت ”السلام علیکم“ کہو تم پر سلامتی ہو، کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے تو کہو ”جزاکم اللہ“ اللہ تعالیٰ تمہیں بدلہ دے۔ آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے کے ساتھ کوئی بھلائی کرتا ہے تو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ”آپ کا بہت بہت شکریہ“ یہ لفظ کہنا یا شکریہ ادا کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں، اچھی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (۱)

جو شخص انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکریہ بھی ادا نہیں کرتا، لیکن شکریہ ادا کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کا شکر ادا کر رہے ہو، اس کو کچھ دعا دے دو، تاکہ اس دعا کے نتیجے میں اس کا فائدہ ہو جائے، کیونکہ اگر آپ نے کہا کہ ”بہت بہت شکریہ“ تو ان الفاظ کے کہنے سے اس کو کیا ملا؟ کیا دنیا یا آخرت

(۱) سنن الترمذی ۵۰۵/۳ (۱۹۵۵) وقال هذا حدیث حسن۔

کی کوئی نعمت مل گئی؟ یا اس کا کوئی فائدہ پہنچا؟ کچھ نہیں ملا، لیکن جب تم نے ”جزاکم اللہ“ کہا تو اس کو ایک دعا مل گئی۔ بہر حال! اسلام میں یہ طریقہ سکھایا گیا کہ قدم قدم پر دوسروں کو دعائیں دو اور دعائیں لو۔ اس لیے ان کو اپنے معمولات میں اور شب و روز کی گفتگو میں شامل کر لینا چاہیے۔ خود بھی ان کی عادت ڈالیں اور بچوں کو بھی بچپن ہی سے ان کلمات کو ادا کرنا سکھائیں۔

سلام کا جواب بلند آواز سے دینا چاہیے

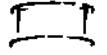
ایک صاحب نے پوچھا کہ سلام کا جواب بلند آواز سے دینا ضروری ہے یا آہستہ آواز سے بھی جواب دے سکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو سلام کا جواب دینا واجب ہے، البتہ اتنی آواز سے جواب دینا کہ سلام کرنے والا وہ جواب سن لے، یہ مستحب اور سنت ہے، لیکن اگر اتنی آہستہ آواز سے جواب دیا کہ مخاطب نے وہ جواب نہیں سنا تو واجب تو ادا ہو جائے گا، لیکن مستحب ادا نہیں ہوگا۔ لہذا بلند آواز سے جواب دینے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



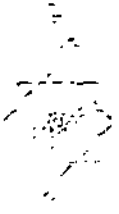
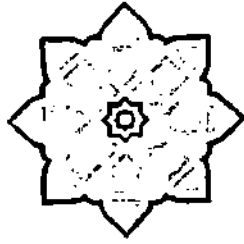
سلام کرنے کے آداب

موعظہ عثمانی جلد دہم



۳





مصافی کے آداب

(اصلاحی خطبات ۶/۱۹۸)





بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مصاحف کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتُؤْمِنُ بِهِ
 وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَأْوَرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
 سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
 يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
 لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
 عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
 وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَمَا بَعْدُ!

”عن انس بن مالك رضي الله عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا
 استقبله الرجل فصافحه، لا يترغ يده من يده،
 حتى يكون الرجل الذي يترغ، ولا يضرِف
 وجهه حتى يكون الرجل هو الذي يضرِفُه،

وَلَمْ يَزْ مَقْدَمًا زَكَبْتِهِ بَيْنَ يَدَيَّ جَلِيسٍ لَهُ^(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ

یہ حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ وہ صحابی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی تھی کہ دس سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم رہے، یہ دن رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے ان کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ان کو بچپن میں ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چھوڑ کر گئی تھیں۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہوئے ہی انہوں نے ہوش سنبھالا، وہ خود قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں نے پورے دس سال تک حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، لیکن اس پورے دس سال کے عرصے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے ڈانٹا، نہ کبھی مارا اور نہ کبھی مجھ پر غصہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کیے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور نہ کبھی نہیں کیے ہوئے کام کے بارے میں یہ پوچھا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟ اس شفقت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش فرمائی۔^(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کسی کام

(۱) سنن الترمذی ۴/۳۶۷ (۲۴۹۰) وقال هذا حديث غريب۔

(۲) صحيح البخاری ۴/۱۱ (۲۷۶۸) و ۸/۱۴ (۶۰۳۴) و صحيح مسلم ۴/۱۸۰۴ (۲۳۰۹)۔

کے لیے بھیجا، میں گھر سے کام کرنے کے لیے نکلا، راستے میں دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں (خود بھی بچے ہی تھے) میں ان بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا اور یہ بھول گیا کہ حضور اقدس ﷺ نے تو مجھے کسی کام کے لیے بھیجا تھا، جب کافی دیر گزر گئی تو مجھے یاد آیا۔ اب مجھے فکر ہوئی کہ میں نے وہ کام تو کیا نہیں اور کھیل میں لگ گیا، چنانچہ میں گھر واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کام خود حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انجام دے دیا ہے، مگر آپ نے مجھ سے یہ پوچھا تک نہیں کہ میں نے تم کو فلاں کام کے لیے بھیجا تھا۔ تم نے کیوں نہیں کیا؟ (۱)

حضور ﷺ سے دعاؤں کا حصول

خدمت کے دوران حضور اقدس ﷺ سے دعائیں بھی لیں، اس لیے کہ جب بھی کوئی خدمت انجام دیتے، اس پر حضور اقدس ﷺ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کی عمر اور ان کی اولاد میں برکت عطا فرما (۲)، یہ دعا ایسی قبول ہوئی کہ تقریباً تمام صحابہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی اور آپ ہی نے بے شمار انسانوں کو تابعی ہونے کا شرف بخشا، آپ کو دیکھ کر آپ کی زیارت کر کے بہت سے لوگ تابعی بن گئے، اگر آپ نہ ہوتے تو ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یقینی طور پر زیارت کی۔ امام اعش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے۔ جس کے ذریعے وہ تابعی بن گئے، اتنی لمبی عمر اللہ تعالیٰ نے عطا

(۱) صحیح مسلم ۱۸۰۵/۴ (۲۳۱۰)۔

(۲) صحیح البخاری ۸۱/۸ (۶۳۷۸) و صحیح مسلم ۱۹۲۸/۴ (۲۴۸۰)۔

فرمائی اور اولاد میں برکت کا یہ حال تھا کہ اتنی اولاد ہوئی کہ وہ خود فرماتے ہیں ۔
آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد سو سے زائد ہو چکی ہے ۔

حدیث کا ترجمہ

بہر حال! حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آپ کے پاس آ کر آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے، جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے اور اپنا چہرہ اور اپنا رخ اس ملاقات کرنے والے کی طرف سے نہیں پھیرتے تھے جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ جب آپ مجلس میں لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں، تو آپ نے اپنا گھٹنا ان میں سے کسی شخص سے آگے کیا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تواضع

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کیے ہیں، پہلا وصف یہ بیان کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں اس قدر تواضع تھی کہ اتنے بلند مقام پر ہونے کے باوجود جب کوئی اللہ کا بندہ آپ سے ملاقات کرتا تو آپ اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک وہ خود اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے اور دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ آپ اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے جب تک وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لے اور تیسرا وصف یہ بیان کیا کہ اپنا گھٹنا کسی سے آگے نہیں کرتے تھے۔ بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص آپ

(۱) مسند احمد ۶۵/۴۱۴ (۲۷۴۲۶)۔

سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اس کی بات نہیں کاٹتے تھے اور اس وقت تک اس کی طرف متوجہ رہتے تھے جب تک وہ خود ہی اٹھ کر نہ چلا جائے اور اگر کوئی بڑھیا بھی کسی معمولی سے کام کے لیے آپ کو اپنی طرف متوجہ کرتی تو آپ اس کے ساتھ اس کا کام کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے^(۱)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصافحہ کا انداز

حقیقت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سنتیں ہیں وہ سب ہمارے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، لیکن بعض سنتوں پر عمل کرنا آسان ہے اور بعض سنتوں پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اس حدیث میں جو سنت بیان کی گئی ہے کہ آدمی مصافحہ کرنے کے بعد اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچے جب تک دوسرا اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے اور جب دوسرا بات شروع کرے تو اس کی بات نہ کاٹے، جب تک وہ خود ہی بات ختم نہ کرے، ایک مشغول انسان کے لیے ساری زندگی اس پر عمل کرنا بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ دوسرے شخص کا زیادہ وقت نہ لیا جائے، لیکن بعض لپچڑھم کے لوگ ہوتے ہیں، جب باتیں کرنے بیٹھیں گے تو اب ختم کرنے کا نام ہی نہیں لیں گے، اس قسم کے لوگوں سے ملاقات کے وقت ان کی بات سنتے رہنا اور ان کی بات نہ کاٹنا جب تک وہ خود اپنی بات ختم نہ کرے یہ بڑا مشکل کام ہے، خاص طور پر اس ذات کے لیے جس پر دونوں جہاں کی ذمہ داریاں ہیں، جہاد جاری ہے، تعلیم و تبلیغ کا

(۱) ملاحظہ ہو الشائل المحمدية للترمذی ۲۹۰ (۲۵۲) باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ.

سلسلہ جارى ہے، مدينے كى رياست كا انتظام جس كے سر پر ہے، حقيقت ميں تو يه حضور اقدس صلى الله عليه وسلم كا معجزه هى تھا۔

اس سے يه بات معلوم هوى كہ اس عظيم منصب كے باوجود جو الله تعالى نے آپ كو عطا فرمايا تھا، آپ كى تواضع اور انكسارى كا يه عالم تھا كہ الله كے هر بندے كے ساتھ تواضع اور عاجزى كے ساتھ پيش آتے تھے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافف كرنا سنت ہے

اس حديث كے پہلے جملے سے دو مسئلے معلوم هئے: پہلا مسئلہ يه معلوم هوا كہ ملاقات كے وقت مصافف كرنا سنت ہے۔ احاديث ميں اگرچہ مصافف كے بارے ميں زيادہ تفصيل تو نہيں آى، ليكن بزرگوں نے فرمايا كہ مصافف كا وہ طريقہ جو سنت سے زيادہ قريب ہے، وہ يه ہے كہ دونوں ہاتھوں سے مصافف كيا جائے۔ چنانچہ صحيح بخارى ميں امام بخارى رضى الله عنه نے مصافف كے بيان پر جواب قائم كيا ہے اس ميں حضرت حماد بن زيد رضى الله عنه كا حضرت عبداللہ بن مبارك رضى الله عنه سے دونوں ہاتھوں سے مصافف كرنا بيان كيا ہے۔ (۱)

ايك ہاتھ سے مصافف كرنا خلاف سنت ہے

آج كے دور ميں ايك طرف تو انگريزوں كى طرف سے فيشن چلا كہ ايك ہاتھ سے مصافف كرنا چاہيے، دوسرى طرف بعض حلقوں كى طرف سے، خاص طور پر سعودى عرب كے حضرات اس بارے ميں تشدد اختيار كرتے هئے يه كہتے هيں

(۱) صحيح البخارى ۵۷/۸ كتاب الاستئذان/باب الاخذ باليدين۔

کہ مصافحہ تو ایک ہی ہاتھ سے کرنا سنت ہے، دونوں ہاتھوں سے کرنا سنت نہیں۔ خوب سمجھ لیجیے کہ یہ خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں مفرد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور تشبیہ کا لفظ بھی آیا ہے اور بزرگوں نے اس کا جو مطلب سمجھا وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے، چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا جبکہ روایتوں میں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ بزرگان دین میں بھی یہی طریقہ متعارف رہا ہے۔ اسی طریقے کو علماء امت نے سنت کے قریب سمجھا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ”التحیات“ اس طرح یاد کرائی کہ ”کفی بین کفیہ“ یعنی میرے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھے^(۱)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی مصافحہ کرنے کا طریقہ یہی تھا اس لیے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت سے زیادہ قریب ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایک ہاتھ سے مصافحہ کر لے تو اس کو میں یہ نہیں کہتا کہ اس نے ناجائز کام کیا یا اس سے مصافحہ کی سنت ادا نہیں ہوگی، لیکن وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو سنت سے زیادہ قریب ہو اور جس طریقے کو علماء، فقہاء اور بزرگان دین نے سنت سے قریب سمجھ کر اختیار کیا، وہ زیادہ بہتر ہے۔

(۱) صحیح البخاری ۱/۸۵۹ (۶۲۶۵)۔

موقع دیکھ کر مصافحہ کیا جائے

یہ معلوم ہوا کہ مصافحہ کرنا اگرچہ سنت ضرور ہے، لیکن ہر سنت کا کوئی محل اور موقع بھی ہوتا ہے، اگر وہ سنت اس کے موقع پر انجام دی جائے تو سنت ہوگی اور اس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ ثواب حاصل ہوگا، لیکن اگر اس سنت کو بے موقع اور بے محل استعمال کر لیا تو ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مصافحہ کرنے سے سامنے والے شخص کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا درست نہیں اور اگر زیادہ تکلیف ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں مصافحہ کرنا ناجائز ہے۔ ایسے وقت میں صرف زبان سے سلام کرنے پر اکتفا کرے اور ”السلام علیکم“ کہہ دے اور سامنے والا جواب دے دے۔

یہ مصافحہ کا موقع نہیں

مثلاً ایک شخص کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں دونوں ہاتھوں میں سامان ہے اور آپ نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیے، ایسے وقت بے چارہ پریشان ہوگا، اب آپ سے مصافحہ کرنے کی خاطر اپنا سامان پہلے زمین پر رکھے اور پھر آپ سے مصافحہ کرے، لہذا ایسی حالت میں مصافحہ کرنا سنت نہیں، بلکہ خلاف سنت ہے، بلکہ اگر مصافحہ کی وجہ سے دوسرے کو تکلیف پہنچے گی تو گناہ کا بھی اندیشہ ہے۔ آج کل لوگ اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں۔

مصافحہ کا مقصد ”اظہارِ محبت“

دیکھیے کہ یہ مصافحہ محبت کا اظہار ہے اور محبت کے اظہار کے لیے وہ

طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس سے محبوب کو راحت ملے نہ یہ کہ اس کے ذریعے اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی بزرگ اللہ والے کسی جگہ پہنچے تو آپ لوگوں نے یہ سوچا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں ان سے مصافحہ کرنا ضروری ہے، چنانچہ مصافحہ کرنے کے لیے پورا مجمع ان بچارے ضعیف اور چھوٹی موٹی بزرگ پر ٹوٹ پڑا، اب اندیشہ اس کا ہے کہ وہ بزرگ گر پڑیں گے ان کو تکلیف ہوگی، لیکن مصافحہ نہیں چھوڑیں گے، ذہن میں یہ ہے کہ مصافحہ کر کے برکت حاصل کرنی ہے اور جب تک یہ برکت حاصل نہیں ہوگی ہم یہاں سے نہیں جائیں گے۔

اس وقت مصافحہ کرنا گناہ ہے

خاص طور پر یہ بنگال اور برما کا جو علاقہ ہے اس میں یہ رواج ہے کہ اگر کسی بزرگ کا وعظ اور بیان سنیں گے تو وعظ کے بعد بزرگ سے مصافحہ کرنا لازم اور ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ وعظ کے بعد ان بزرگ پر ٹوٹ پڑیں گے، اس کا خیال نہیں ہوگا کہ جن سے مصافحہ کر رہے ہیں وہ کہیں دب نہ جائیں ان کو تکلیف نہ پہنچ جائے، لیکن مصافحہ کرنا ضروری ہے۔

پہلی مرتبہ جب اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بنگال جانا ہوا تو پہلی بار یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ جلسے میں ہزار ہا افراد کا مجمع تھا۔ حضرت والد صاحب نے بیان فرمایا، لیکن جب جلسے سے فارغ ہوئے تو سارا مجمع مصافحہ کے لیے والد صاحب پر ٹوٹ پڑا اور والد صاحب کو وہاں سے بچا کر نکالنا مشکل ہو گیا۔

یہ تو دشمنی ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک وعظ ہے جو آپ نے رنگون (برما) کی سورتی مسجد میں کیا تھا، اس وعظ میں یہ لکھا ہے کہ جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ سے فارغ ہوئے تو مصافحہ کرنے کے لیے مجمع کا اتنا زور پڑا کہ حضرت والا گرتے گرتے بچے۔ یہ حقیقی محبت نہیں ہے یہ محض صورتِ محبت ہے، اس لیے کہ محبت کو بھی عقل چاہیے کہ جس سے محبت کی جارہی ہے اس کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کیا جائے اور اس کو دکھ اور تکلیف سے بچایا جائے، یہ ہے حقیقی محبت۔

عقیدت کی انتہا کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی علاقے میں چلے گئے، وہاں کے لوگوں کو ان بزرگ سے اتنی عقیدت ہوئی کہ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان بزرگ کو اب باہر نہیں جانے دیں گے، ان کو یہیں رکھیں گے تاکہ ان کی برکت حاصل ہو اور اس کی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ ان بزرگ کو قتل کر کے یہاں دفن کر دیا جائے تاکہ ان کی یہ برکت اس علاقے سے باہر نہ نکل جائے۔

جوشِ محبت میں بے عقلی کا جو انداز ہے اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں، محبت وہ ہے جس سے محبوب کو راحت اور آرام ملے۔ اسی طرح مصافحہ کے وقت یہ دیکھ کر مصافحہ کرنا چاہیے کہ اس وقت مصافحہ کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ اس کا لحاظ رکھنا چاہیے، اگر دونوں ہاتھ مشغول ہوں تو ایسی صورت میں راحت اور آرام کی نیت سے مصافحہ نہ کرنے میں زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

ایک حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے ہاتھ کے گناہ جھاڑ دیتے ہیں^(۱)، لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لینی چاہیے کہ اس مصافحہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کی بھی مغفرت فرمائیں گے اور ان کے بھی گناہوں کی مغفرت فرمائیں گے اور ساتھ میں یہ نیت بھی کر لے کہ یہ اللہ کا نیک بندہ جو مجھ سے مصافحہ کرنے کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ کی برکت میری طرف منتقل فرما دیں گے۔ خاص طور پر ہم جیسے لوگوں کے ساتھ ایسے مواقع بہت پیش آتے ہیں کہ جب کسی جگہ پر وعظ یا بیان کیا تو وعظ کے بعد لوگ مصافحہ کے لیے آگئے۔

ایسے مواقع کے لیے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی، جب بہت سارے لوگ مجھے سے مصافحہ کرنے کے لیے آتے ہیں تو میں بہت خوش ہوتا ہوں اس لیے خوش ہوتا ہوں کہ یہ سب اللہ کے نیک بندے ہیں کچھ پتہ نہیں کہ کون سا بندہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول بندہ ہے جب اس مقبول بندے کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھو جائے گا تو شاید اس کی

(۱) للعجم الاوسط للطبرانی ۸۴/۱ (۲۴۵) وقال الهیثمی فی "مجمع الزوائد" ۸/ ۷۵ (۱۲۷۶۶): رواه الطبرانی فی الاوسط، ويعقوب بن محمد بن الطحلاء روى عنه غير واحد ولم يضعفه أحد، وبقية رجاله ثقات. وأصله في سنن الترمذي ۴/ ۴۴۷ (۲۷۲۷) من حديث البراء بن عازب ولفظه: «ما من مسلمين يلتقيان، فيتصافحان إلا غفر لهما قبل أن يفترقا». وقال: هذا حديث حسن غريب من حديث أبي إسحاق عن البراء.

برکت سے اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی نوازش فرمادیں۔ یہی باتیں بزرگوں سے سیکھنے کی ہیں۔ اس لیے جب بہت سے لوگ کسی سے مصافحہ کے لیے آئیں تو اس وقت آدمی کا دماغ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ خیال ہوتا ہے کہ جب اتنی ساری مخلوق مجھ سے مصافحہ کر رہی ہے اور میری معتقد ہو رہی ہے، واقعتاً اب میں بھی بزرگ بن گیا ہوں، لیکن جب مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لی کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے نوازدیں۔ میری بخشش فرمادیں تو اب سارا نقطہ نظر تبدیل ہو گیا اور اب مصافحہ کرنے کے نتیجے میں تکبر اور اپنی بڑائی پیدا ہونے کے بجائے تواضع اور عاجزی اور شکستگی، انکساری پیدا ہو گئی، لہذا مصافحہ کرتے وقت یہ نیت کر لیا کرو۔

مصافحہ کرنے کا ایک ادب

حدیث کے اگلے جملے میں یہ بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے مصافحہ کے وقت اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک سامنے والا شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے۔ اس سے مصافحہ کرنے کا ایک اور ادب معلوم ہوا کہ آدمی مصافحہ کرتے وقت اپنا ہاتھ خود سے نہ کھینچے، یعنی سامنے والے کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ تم اس کی ملاقات سے اکتارہے ہو یا تم اس کو حقیر اور ذلیل سمجھ رہے ہو، بلکہ شکستگی کے ساتھ مصافحہ کرے۔ جلد بازی نہ کرے، البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو چمٹ ہی جائے اور آپ کا ہاتھ چھوڑے ہی نہیں، اس وقت بہر حال اس کی گنجائش ہے کہ آپ اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔

ملاقات کا ایک ادب

اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا دوسرا وصف یہ بیان فرمایا کہ آپ ملاقات کے وقت اپنا چہرہ اس وقت تک نہیں پھیرتے تھے جب تک کہ سامنے والا اپنا چہرہ نہ پھیر لے۔ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے اس سنت پر عمل کرنے میں بڑا مجاہدہ ہے، لیکن انسان کی اپنی طرف سے یہی کوشش ہونی چاہیے کہ جب تک ملاقات کرنے والا خود ملاقات کر کے رخصت نہ ہو جائے اس وقت تک اپنا چہرہ اس سے نہ پھیرے، البتہ اگر کہیں مجبوری ہو جائے تو بات دوسری ہے۔

عیادت کرنے کا عجیب واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب آپ مرض الوفا میں تھے، لوگ آپ کی عیادت کرنے کے لیے آنے لگے۔ عیادت کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ

اعظم العیادة اجر الخفها (۱)

یعنی سب سے زیادہ اجر والی عیادت وہ ہے جو زیادہ ہلکی

(۱) مسند البزار ۲/۲۵۵ (۶۶۳) وقال: وأحسب أن ابن أبي فديك لم يسمع من علي بن عمر بن علي بن أبي طالب، والكلام فلا نحفظه عن النبي ﷺ إلا من هذا الوجه. وأورده الهيثمي في "المجمع" ۲۰/۳ (۳۷۶۲) واكتفى على كلام البزار. والحديث مذکور في "الجامع الصغير" ۱/۲۵۷ (۱۱۸۱) برمز الضعف. وقال المناوي في "فيض القدير" ۳/۳ (۱۱۸۱): وقد أشار المصنف بضعفه فإما أن يكون لانقطاعه، ولكونه مع الانقطاع فيه علة أخرى.

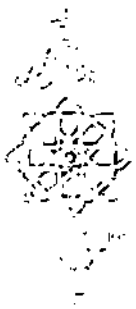
پھلکی ہو۔

بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، کیونکہ بعض اوقات مریض کو خلوت کی ضرورت ہوتی ہے اور لوگوں کی موجودگی میں وہ اپنا کام بے تکلفی سے انجام نہیں دے سکتا، اس لیے مختصر عیادت کر کے چلے آؤ اس کو راحت پہنچاؤ، تکلیف مت پہنچاؤ۔ بہر حال! حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ بستر پر لیٹے ہوئے تھے ایک صاحب عیادت کے لیے آ کر بیٹھ گئے اور ایسے جم کر بیٹھ گئے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے اور بہت سے لوگ عیادت کے لیے آتے رہے اور مختصر ملاقات کر کے جاتے رہے، مگر وہ صاحب بیٹھے رہے نہ اٹھے حضرت عبداللہ بن مبارک اس انتظار میں تھے کہ یہ صاحب چلے جائیں تو میں خلوت میں بے تکلفی سے اپنی ضروریات کے کچھ کام کر لوں۔ مگر خود سے اس کو چلے جانے کے لیے کہنا بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی اور اللہ کا بندہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا تو حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے ان صاحب سے فرمایا کہ یہ بیماری کی تکلیف تو اپنی جگہ پر ہے ہی، لیکن عیادت کرنے والوں نے علیحدہ پریشان کر رکھا ہے کہ عیادت کے لیے آتے ہیں اور پریشان کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ شاید یہ میری بات سمجھ کر چلا جائے، مگر وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا اور حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت! اگر آپ اجازت دیں تو کمرے کا دروازہ بند کر دوں؟ تاکہ کوئی دوسرا شخص عیادت کے لیے نہ آئے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا: ہاں بھائی بند کر دو، مگر اندر سے بند کرنے کے بجائے باہر سے جا کر بند کر دو^(۱)۔

(۱) اس طرح کا واقعہ بغیر کسی نسبت کے ملا علی قاری نے مرقاة المفاتیح ۲/۱۱۵۳ میں نقل کیا ہے۔ (طبع دار الفکر)۔ واللہ اعلم۔

بہر حال! بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے ساتھ ایسا معاملہ بھی کرنا پڑتا ہے، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، لیکن عام حالت میں حتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس نہ کرے کہ مجھ سے اعراض برتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین







ملاقات اور فون کرنے کے آداب

(اصلاحی خطبات ۱۷/۲۵۴)



۱

۲

۳



۴

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ملاقات اور فون کرنے کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتُؤْمِنُ بِهِ
وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا۔ أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنَ الْجُبُوتِ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا

لَهُمْ وَاللَّهُ عَفُوٌّ رَحِيمٌ (۱)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم، وصدق رسوله
النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين
والشاكرين، والحمد لله رب العالمين۔

بزرگان محترم و برادران عزیز! سورہ حجرات کی تفسیر کا بیان کئی محموں سے
چل رہا ہے، آج میں نے آپ کے سامنے اس کی دو آیات تلاوت کیں، ان
میں سے پہلی آیت میں حضور اقدس ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو
لوگ آپ ﷺ کو آپ کے حجروں یعنی رہائش گاہ کے پیچھے سے پکارتے ہیں
ان میں سے اکثر لوگ ناسمجھ ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ بنو تمیم کا ایک
وفد حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا تھا، ان کے اندر آداب و تہذیب کی کمی تھی،
چنانچہ ان لوگوں نے اس وقت جب کہ آپ کے آرام کا وقت تھا، آپ ﷺ
کے مکان کے پیچھے سے آپ کو پکارنا شروع کر دیا کہ ”یا محمد اخرج الینا“
اے محمد (ﷺ)! آپ باہر تشریف لائیں، ہم آپ سے ملنے آئے ہیں، یہ
آیت کریمہ ان کے بارے میں نازل ہوئی^(۱)، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ
جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے پیچھے سے پکار رہے ہیں ان میں سے اکثر لوگ
ناسمجھ ہیں، اگر یہ لوگ آپ کو پکارنے کے بجائے باہر صبر کرتے اور انتظار کرتے،

(۱) سورة الحجرات آیت (۵)۔

(۲) الوجیز فی تفسیر الكتاب العزیز للواحدی ص ۱۰۶ سورة الحجرات۔ طبع دار القلم
دمشق، و تفسیر الثعلبی ۲۶/۹ طبع دار احیاء التراث العربی، و تفسیر السمعانی
۲۱۵/۵ طبع دار الوطن الرياض۔

یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا کہ چونکہ یہ عمل ان سے نادانی میں سرزد ہوا ہے، اس لیے ان کو معاف کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے، بڑا مغفرت کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے، لیکن آئندہ کے لیے سبق دے دیا۔

دور سے بلانا ادب کے خلاف ہے

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو سبق دیے: ایک سبق یہ دیا کہ کسی بڑے کو دور سے پکارنا بے ادبی ہے، چاہے یہ پکارنا گھر کے باہر سے ہو یا کسی اور جگہ سے ہو، اگر کسی بڑے سے آپ کو کوئی کام ہے تو اس کے قریب جا کر اس سے بات کریں، بلکہ عام انسانوں میں بھی یہ بے ادبی کی بات ہے، مثلاً کوئی بیٹا باپ کو اس طرح دور سے پکارے یا کوئی شخص اپنے سے بڑے رشتے دار کو دور سے پکارے، یہ سب بے ادبی کے اندر داخل ہے اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں تو یہ بے ادبی بڑی ہی سنگین ہے، اسی لیے قرآن کریم نے یہ طریقہ بتا دیا کہ دور سے آواز دینے کے بجائے حضور اقدس ﷺ کے قریب جاؤ اور پھر جو درخواست کرنی ہو ”یا رسول اللہ!“ کہہ کر درخواست کرو۔

حضور اقدس ﷺ پر درود و سلام کا طریقہ

فقہاء کرام نے اسی آیت سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ دنیا سے تشریف لے جانے کے باوجود اپنی قبر مبارک میں تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے، جس طرح شہداء کے بارے

میں فرمایا کہ وہ مرتے نہیں ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا معاملہ شہداء سے بھی اونچا ہے، وہ بھی زندہ ہیں اور خاص قسم کی زندگی اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما رکھی ہے، جو ہمیں محسوس نہیں ہوتی۔ اسی لیے ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تم حضور اقدس ﷺ کے روضہ اقدس پر جاؤ تو وہاں جا کر کہو:

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

یعنی حضور اقدس ﷺ کو خطاب کر کے سلام پیش کرو، لیکن جب تم روضہ اقدس سے دور ہو تو پھر تم یوں کہو:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

لہذا اس آیت کی رو سے روضہ اقدس سے دور ہونے کی صورت میں ”الصلاة والسلام عليك يا رسول الله“ کہنا درست نہیں، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کو دور سے پکارنا بے ادبی کی بات ہے اور یہ آپ ﷺ کی تعظیم کے خلاف ہے۔

حاضر و ناظر کے عقیدے سے پکارنا

خاص طور پر ”الصلاة والسلام عليك يا رسول الله“ کے الفاظ سے اس عقیدے سے پکارنا کہ حضور اکرم ﷺ ہر جگہ موجود ہیں اور آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ اللہ بچائے۔ یہ عقیدہ انسان کو بعض اوقات شرک تک پہنچا دیتا ہے اور اگر اس عقیدے سے یہ الفاظ کسی نے کہے کہ جب ہم ”الصلاة والسلام عليك يا رسول الله“ کہہ کر درود بھیجتے ہیں تو آپ ﷺ کی

روح مبارک تشریف لاتی ہے۔ خوب سمجھ لیجیے یہ بات احادیث میں کہیں ثابت نہیں۔ دوسری طرف یہ آپ ﷺ کی تعظیم کے خلاف ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ کو دور سے سلام کریں اور سلام لینے کے لیے حضور اکرم ﷺ خود تشریف لائیں۔ یہ کوئی ادب کی بات ہے؟ یہ کوئی تعظیم اور محبت کی بات ہے؟ صحیح طریقہ وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ نے خود بیان فرمادیا، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر پر آ کر مجھے سلام کرے گا، میں اس کا جواب دوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجے گا تو وہ درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے کہ آپ کے فلاں امتی نے درود تشریف کا یہ تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، جو حدیث میں منقول ہے۔^(۱)

”یا رسول اللہ“ کہنا ادب کے خلاف ہے

لہذا آپ ﷺ کی ظاہری زندگی میں جس طرح یہ حکم تھا کہ جو شخص بھی آپ سے خطاب کرے، وہ قریب جا کر کرے، دور سے نہ کرے، اسی طرح آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو قبر مبارک میں دوسری حیات طیبہ حاصل ہے، وہاں بھی یہی حکم ہے کہ قریب جا کر ان الفاظ سے سلام کرو کہ

الصلاة والسلام عليك يا رسول الله

لیکن دور سے کہنا ہے تو درود تشریف پڑھو، ان الفاظ سے سلام کہنا آپ ﷺ کی تعظیم اور ادب کے خلاف ہے، اس آیت سے ایک سبق تو یہ دے دیا۔

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۱۴۰/۳ (۱۴۸۱)، والحدیث ذکرہ الحافظ ابن حجر فی ”فتح الباری“ ۴۸۸/۳ معزو الی ابی الشیخ فی کتاب الثواب وقال: ”بسند جید“ نیز ملاحظہ ہو علامہ ستادی رحمہ اللہ کی کتاب ”الاجوبۃ المرئیۃ“ ۹۲۸/۳ (۲۵۲) طبع دار الرایۃ.

حضور اقدس ﷺ کے دروازے پر دستک دینا

اس آیت سے دوسرا سبق یہ دیا گیا کہ اگر کسی شخص کو حضور اکرم ﷺ سے کوئی کام ہے تو آپ ﷺ کے دروازے پر دستک دے کر آپ کو باہر بلانا آپ ﷺ کے ادب کے خلاف ہے، اگر کوئی بہت ضروری اور فوری کام ہو تو دوسری بات ہے، لیکن عام حالات میں آپ ﷺ کے دروازے پر دستک دینا اور آپ ﷺ کو باہر آنے کی زحمت دینا مناسب نہیں، لہذا اگر آپ سے کسی شخص کو کوئی کام ہے تو باہر بیٹھ کر انتظار کرے، جب حضور اقدس ﷺ خود کسی ضرورت سے باہر تشریف لائیں، ظاہر ہے پانچ وقت کی نماز کے لیے تو آپ ﷺ باہر تشریف لاتے ہی تھے، اس کے علاوہ اور اوقات میں بھی بعض مرتبہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آتے تھے، اُس وقت ملاقات کر کے اپنی ضرورت پیش کرو، یہ طریقہ تمہارے لیے ہزار درجہ بہتر ہے، چنانچہ فرمایا:

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

یعنی اگر یہ لوگ صبر کر لیتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ خود باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا، نسبت اس کے کہ حضور اکرم ﷺ کو آواز دے کر باہر بلائیں۔

استاد کے دروازے پر دستک دینا

حضرات مفسرین نے اس آیت کے تحت یہ فرمایا کہ شاگرد اور استاد کا معاملہ بھی ایسا ہے، یعنی اگر کوئی شاگرد کسی استاد سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو بجائے اس کے کہ وہ شاگرد استاد کی خلوت میں خلل انداز ہو اور استاد کے

دروازے پر دستک دے کر اس کو باہر آنے کی دعوت دے۔ بہتر یہ ہے کہ اس کا انتظار کرے اور جب وہ استاد خود سے باہر آئے، اس وقت جا کر ملاقات کرے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی دعا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی، لیکن دس سال کی عمر کے دوران ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا فرمائی تھی کہ

اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمَهُ التَّوِيلَ (۱)

اے اللہ! اس (بچے) کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو قرآن کریم کی تفسیر کا علم عطا فرما۔

چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی تفسیر کا علم حاصل نہ کر سکا، دل میں خیال آیا کہ ابھی بہت سے ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود ہیں جنہوں نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا، میں ان میں سے ایک ایک کے پاس جاؤں اور جا کر ان سے علم

(۱) الشریعة للاجری ۲۳۶۶/۵ (۱۷۴۸) طبع دار الوطن، البتہ بعض روایات میں کندھے پر ہاتھ رکھنے کا ذکر بھی ملتا ہے ملاحظہ ہو مسند احمد ۴/۲۳۵ (۲۳۹۷) والطبقات الکبری لابن سعد ۲۳۲/۸۔ اور اس کی اصل صحیح بخاری ۱/۴۱ (۱۴۲) پر ہے۔ از مرتب

حاصل کروں، چنانچہ جس کسی صحابی کے بارے میں مجھے علم ہوتا کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں تو میں سفر کر کے ان کے پاس جاتا۔

علم سیکھنے کے لیے ادب کا لحاظ

خود فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ شدید گرمی کا موسم ہے اور عرب کی گرمی تو بہت زیادہ شدید ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا کہ آسمان سے آگ برس رہی ہے اور زمین شعلے اگل رہی ہے، ایسی شدید گرمی میں سفر کر کے جاتا اور جس صحابی سے علم حاصل کرنا مقصود ہوتا، اس صحابی کے دروازے پر جا کر بیٹھ جاتا، یہ پسند نہیں تھا کہ جس صحابی کو اپنا استاد بنانا ہے اور ان سے حضور اقدس ﷺ کی احادیث حاصل کرنی ہیں، ان کو آواز دے کر باہر بلاتا، بلکہ میں ان کے دروازے پر بیٹھ جاتا کہ جب وہ خود سے کسی وقت گھر سے باہر نکلیں گے تو ان سے اپنی درخواست پیش کروں گا اور جب میں دروازے پر بیٹھا ہوتا تو ریت کا طوفان چل رہا ہوتا، سر سے لے کر پاؤں تک پورا جسم مٹی سے اٹ جاتا، لیکن اس وقت بھی یہ گوارا نہیں ہوتا کہ میں دستک دے کر ان کو باہر بلاؤں اور جب وہ خود کسی وجہ سے باہر نکلتے اور دیکھتے کہ حضور اقدس ﷺ کے چچا زاد بھائی اس طرح دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں تو وہ مجھے سینے سے لگاتے اور کہتے کہ آپ تو حضور اقدس ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں، آپ یہاں میرے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہیں؟ آپ نے دستک دے کر مجھے کیوں نہیں بلا لیا؟ اور گھر کے اندر کیوں تشریف نہیں لائے؟ میں عرض کرتا کہ آج میں آپ کے پاس حضور اکرم ﷺ کے چچا کے بیٹے کی حیثیت سے نہیں آیا، بلکہ آج میں آپ کے شاگرد کی حیثیت سے آیا ہوں اور آپ سے حضور اقدس ﷺ کی

باتیں سننے کے لیے آیا ہوں، اس وجہ سے مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ آپ کو تکلیف دوں اور آپ کو گھر سے باہر بلاؤں۔ چونکہ قرآن کریم نے حضور اقدس ﷺ کے بارے میں کہا تھا کہ بنو تمیم کے لوگوں کو چاہیے تھا کہ وہ باہر دروازے پر صبر کرتے، تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے استاد کے ساتھ وہی معاملہ کیا۔^(۱)

جانے سے پہلے وقت لے لو

یہ تو استاد شاگرد، باپ بیٹے اور پیر مرید کے بارے میں اصول تھا، لیکن عام انسانوں کے ساتھ ملاقاتوں میں بھی تلقین کی گئی کہ جس شخص سے تم ملنے جا رہے ہو، حتی الامکان اس کو تکلیف پہنچانے سے گریز کرو، یہ نہ ہو کہ بس کسی بھی وقت مصیبت بن کر کسی کے گھر میں وارد ہو گئے اور اس پر مسلط ہو گئے، بلکہ جب کسی کے پاس ملاقات کے لیے جانا ہو تو پہلے یہ دیکھو کہ یہ وقت اس شخص سے ملاقات کے لیے مناسب ہے یا نہیں؟ اس شخص کا نظام الاوقات کیا ہے؟ لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، کوئی وقت کسی شخص کے آرام کا ہوتا ہے، کسی وقت کوئی شخص خلوت اور تنہائی میں اپنے گھر والوں کے پاس رہنا چاہتا ہے، کوئی شخص کسی وقت مصروف ہوتا ہے، لہذا پہلے یہ معلوم کر لو کہ فلاں شخص سے ملاقات کے لیے کون سا وقت زیادہ موزوں ہے؟ کہ اس وقت ملاقات کرنے سے اس کو تکلیف نہیں ہوگی۔

(۱) فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل ۹۷۷/۲ (۱۹۲۵) طبع موسسه الرسالہ۔ وسنن الدارمی ۴۶۷/۱ (۵۹۰) طبع دار المغنی السعودیة۔ والمستدرک للحاکم ۱۸۸/۱ (۳۱۲) وقال: هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری، وهو أصل فی طلب الحدیث وتوقیر المحدث، ووافقہ الذهبی فی "التلخیص".

میزبان کے حقوق مہمان پر

جس طرح مہمان کے حقوق ہیں میزبان پر کہ جب کوئی مہمان آئے تو میزبان کو چاہیے کہ اس کا اکرام کرے، اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آئے، اسی طرح میزبان کا بھی مہمان کے اوپر حق ہے، وہ یہ ہے کہ مہمان اس کے لیے مہمان بنے، وبال جان نہ بنے کہ ایسے وقت میں اس کے پاس پہنچ جائے جو اس کے لیے مناسب نہیں تھا، لہذا علماء کرام نے اس آیت کے تحت یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جب کسی سے ملنے کے لیے جاؤ تو یہ اندازہ کر کے جاؤ کہ اس وقت اس سے ملنا مناسب ہوگا یا نہیں؟ اس کے بغیر اگر جاؤ گے تو تکلیف کا سبب بنو گے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ النور میں دو رکوع اس موضوع پر نازل فرمائے ہیں کہ جب تم کسی سے ملاقات کے لیے جاؤ تو کس طرح جاؤ، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کے پاس جانے سے اس کو تکلیف نہ دو، جانے سے پہلے اجازت لو کہ میں فلاں وقت میں آؤں یا نہ آؤں؟ اور اگر دوسرا شخص معذرت کر لے میں اس وقت مشغول ہوں، میں ملاقات نہیں کر سکتا تو اس کا برا نہ مناؤ، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ اذْجِعُوا فَاجْزِعُوا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (۱)

یعنی اگر میزبان تم سے یہ کہے کہ اس وقت ملنا میرے لیے مشکل ہے، میں کسی کام میں مشغول ہوں، میرے ساتھ معذوری لاحق ہے تو اس سے برا نہ مناؤ، بلکہ واپس چلے جاؤ، تمہارے لیے واپس جانا ہی بہتر ہے۔ ان تمام اصولوں

(۱) سورۃ النور آیت (۲۸)۔

کی بنیاد یہ ہے کہ تمہارے کسی عمل سے کسی شخص کو کوئی ناواجبی تکلیف نہ پہنچے۔ یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کسی صحابی سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے، وہ صحابی مدینہ منورہ سے دو تین میل کے فاصلے پر رہتے تھے، آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی صحابی سے ملنے کے لیے اس کے گھر تشریف لے جاتے تو اجازت طلب کرنے کے لیے سلام کرتے کہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اُدخل؟ کیا میں اندر آ جاؤں؟ بہر حال! ان صحابی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ نے حسب معمول سلام کیا، اندر سے کوئی جواب نہ آیا، آپ ﷺ نے دوبارہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہیں آیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ سلام کیا، پھر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ وہ صحابی کسی اور حال میں تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ حضور اکرم ﷺ مجھے دعا دے رہیں، اس لیے کہ ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ کے معنی ہیں کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو، تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔ تو ان صحابی نے یہ سوچا کہ میں حضور اقدس ﷺ کی زیادہ سے زیادہ دعائیں حاصل کر لوں، اس لیے وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے۔

دوسری طرف جب رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کر لیا تو واپس جانے لگے، اس لیے کہ حکم یہ ہے کہ جب تین مرتبہ اجازت مانگ چکو اور تمہیں یہ اندازہ ہو کہ تمہاری آواز اندر والے نے سن لی ہے تو تین مرتبہ اجازت مانگنے کے باوجود اگر وہ باہر نہ نکلے تو تم واپس چلے جاؤ، اس لیے کہ وہ شخص تم سے اس وقت نہیں ملنا چاہتا اور خواہ مخواہ زبردستی دوسرے پر سوار ہو جانا اسلامی آداب کا تقاضہ

نہیں ہے، اس لیے حضور اقدس ﷺ واپس جانے لگے۔ جب ان صحابیؓ کو اندازہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ واپس تشریف لے جا رہے ہیں تو جلدی سے گھر سے باہر نکلے اور جا کر حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ آپ واپس کیوں جا رہے ہیں؟ گھر کے اندر تشریف لائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”حکم یہ ہے کہ تین مرتبہ اجازت مانگو اور جب یہ اندازہ ہو کہ اس شخص نے تمہاری آواز سن لی ہے اس کے باوجود وہ اندر آنے کی اجازت نہیں دے رہا، تو واپس چلے جاؤ۔“ اب دیکھیے! حضور اکرم ﷺ نے برا نہیں منایا اور یہ نہیں کہا کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھولا اور اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دی، بلکہ واپس چلے گئے، ان صحابیؓ نے فرمایا میں یہ سوچتا رہا کہ آپ ﷺ کی دعائیں لیتا رہوں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دعائیں لینے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا، تم دعائیں ویسے لے لیتے، میں باہر کھڑا انتظار کرتا رہا، یہ اچھی بات نہیں ہے (۱)۔

حضور اقدس ﷺ نے برا نہیں منایا

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد جب اجازت نہیں ملی تو اس پر آپ ﷺ نے برا نہیں منایا اور نہ غصہ کیا کہ ہم تمہارے گھر پر آئے تم نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا، بلکہ آپ ﷺ واپس چلے گئے، اس لیے کہ قرآن کریم نے یہ فرمادیا تھا کہ اگر تم سے یہ کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو اس وقت تم واپس چلے جاؤ، یہی

(۱) الأدب للفرد ص ۶۰۱ (۱۰۷۳) مکتبۃ المعارف الرياض، وأصله فی صحیح البخاری ۸/۵۴ (۶۲۴۵) و صحیح مسلم ۳/۱۶۹۵ (۲۱۵۳)۔

تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہمان پر بھی میزبان کے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، وہ یہ کہ بلا وجہ اس کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فون کرنے کے آداب

آج کل ملاقاتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا ہے اور وہ ٹیلی فون کے ذریعے آدھی ملاقات ہے، اس میں بھی یہی احکام ہیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں سورۃ النور کی تفسیر میں ٹیلی فون استعمال کرنے کے احکام بھی لکھے ہیں، وہ یہ کہ جب تم کسی کو ٹیلی فون کرو، تو یہ دیکھو کہ میں ایسے وقت میں ٹیلی فون تو نہیں کر رہا ہوں جو اس کی تکلیف کا سبب ہو، بسا اوقات لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، بس دماغ میں خیال آیا کہ فلاں سے فلاں بات کرنی ہے اور اسی وقت فون کر دیا، یہ دیکھے بغیر کہ اس وقت یہ اس کے آرام کا وقت ہوگا یا نماز کا وقت ہوگا یا دوسری ضروریات کا وقت ہوگا۔ یہ بے چارہ ”مولوی“ تو ساری دنیا کی میراث ہے، اس سے ملاقات اور اس سے بات کرنے کے لیے کسی قاعدے اور قانون کی ضرورت نہیں، چنانچہ میرے پاس تو رات کے دو بجے ٹیلی فون آجاتا ہے، ایک مرتبہ رات کے دو بجے فون آیا، میں نے پوچھا کہ فون کرنے سے پہلے گھڑی میں ٹائم دیکھا تھا، اس وقت کیا ٹائم ہو رہا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تو تھا، لیکن یہی خیال تھا کہ شاید آپ اس وقت تہجد کے لیے اٹھے ہوں گے، لہذا اس وقت آپ کو فون کر لیں۔ اب دو بجے رات کو فون کر رہے ہیں اور مسئلہ بھی کوئی ایسا نہیں تھا جس کی فوری ضرورت ہو، بلکہ عام مسئلہ کے لیے رات کو دو بجے فون کر رہے ہیں۔

آج اس بات کا خیال بھی دل سے اٹھ گیا کہ اگر کسی کو فون کریں تو ایسے وقت میں کریں کہ جس سے سامنے والے کو تکلیف نہ ہو۔

لمبی بات کرنے سے پہلے اجازت لے لو

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ فون کی گھنٹی بجی اور آپ نے ریسیور اٹھالیا، لیکن آپ جلدی میں ہیں اور آپ کو فوراً کہیں جانا ہے، مثلاً آپ کے جہاز کا وقت ہے یا دفتر میں پہنچنا ہے یا بیت الخلاء کا تقاضا ہے، اب سامنے والے نے فون پر لمبی بات شروع کر دی۔ اس لیے معارف القرآن میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر کسی سے فون پر لمبی بات کرنی ہو تو پہلے پوچھ لو کہ میں ذرا لمبی بات کرنا چاہتا ہوں، اگر اس وقت فارغ ہوں تو ابھی کر لوں یا دوسرا وقت بتادیں، میں اس وقت فون کر لوں گا، تاکہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ یہ سارے آداب بھی دین کا حصہ ہیں، اسلام نے ان کی تعلیم دی ہے، لیکن ہم نے دین اسلام کو چند عبادتوں میں محدود کر دیا ہے اور معاشرت کے یہ احکام جو قرآن و حدیث میں بھرے ہوئے ہیں، ان کو دین سے خارج کر دیا ہے، اس کے نتیجے میں ہماری زندگیوں میں ایک عجیب قسم کی بے چینی پیدا ہو گئی ہے۔ سورۃ الحجرات کی یہ آیت ان تمام آداب کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی فہم عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

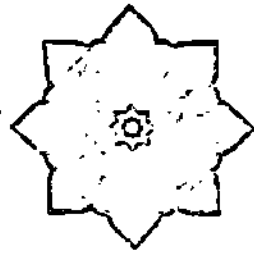
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



خدمت کے آداب

جلد دہم

مؤرخ عثمانی



خدمت کے آداب

(انعام الباری ۲/۲۳۹)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خدمت کے آداب



نَعْتَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اَمَا بَعْدُ!
 عن ابن عباس ؓ أن النبي ﷺ دخل الخلاء
 فوضعت له وضوءاً، قال: من وضع هذا، فأخبر،
 فقال: ”اللهم فقهه في الدين“ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ
 خلا میں داخل ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے لیے وضو کا
 پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے بھرے بھرائے لوٹے
 سے آرام محسوس کرنے کے بعد پوچھا کہ یہ کس نے رکھا
 ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ نے رکھا ہے،
 آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! ان کو دین میں تفقہ اور
 سمجھ عطا فرما۔“

(۱) صحیح البخاری ۱/۴۱ (۱۴۲)۔

افضل خدمت

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے کسی بڑے کی ایسی خدمت کر دینا جس کا اس نے حکم نہیں دیا، لیکن یقین ہے کہ وہ اس کے لیے راحت کا سبب ہوگا، فضیلت کی بات ہے۔

ایک تو وہ خدمت ہے جو مخدوم کے کہنے سے کی جائے، اس نے کہا کہ میرا یہ کام کر دو، خادم نے کر دیا۔ اس میں بھی بڑی فضیلت ہے، لیکن کوئی ایسی خدمت کرنا، جس کا اس نے کہا نہیں تھا خود سے یہ خیال آیا کہ میں یہ کام کر دوں جس سے اسے راحت ملے گی جس کی پہلے سے اس کو توقع نہیں تھی۔

ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے سے توقع ہو اس سے بھی خوشی حاصل ہوتی ہے، لیکن ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے توقع نہ ہو، اس سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے، زیادہ آرام ملتا ہے۔ تو خادم اگر مخدوم کا ایسا کام کر دے جو اس کی توقع سے زیادہ ہو تو اس کو زیادہ خوشی اور راحت ملے گی اور خادم کو اجر و ثواب اور فضیلت بھی حاصل ہوگی۔

لیکن یہ اسی وقت ہے، جب یقین ہو کہ میری اس خدمت سے مخدوم کو راحت ملے گی اور یہ جاننے کے لیے لہم سلیم کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے ایسی خدمت کر دی جس سے الٹی تکلیف پہنچ گئی، حالانکہ راحت پہنچانے کا ارادہ تھا، تو ایسی صورت میں جب کہ تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، خدمت نہ کرنا بہتر ہے۔

خدمت کے لیے عقل کی ضرورت ہے

ایک مرتبہ ہم مسجد میں گئے اور جوتے باہر چھوڑ گئے، نماز پڑھ کر باہر آئے تو دیکھا کہ جوتے غائب ہیں۔ ساتھی تلاش کرنے لگے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے، میں سمجھا کوئی بے چارہ اٹھا کر مسجد میں لے گیا ہوگا، ایسے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں، جب پانچ سات منٹ ہو گئے تو ایک صاحب اندر سے ٹہلتے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ جی باہر رکھے ہوئے تھے میں نے اس خیال سے اٹھا کر اندر رکھ دیے کہ چوری نہ ہو جائیں۔

اب اس بے چارے نے اپنی دانست میں تو بھلائی کی کہ چوری سے بچانے کے لیے اندر جا کر رکھ دیے، لیکن بے چارہ عقل سے پیدا تھا، اس واسطے اس نے یہ کام کر دیا اور بتایا نہیں کہ کہاں رکھے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ گیا۔ تو خدمت کے لیے بھی عقل اور سمجھ چاہیے، بغیر فہم و عقل کے جو خدمت کی جائے گی وہ فائدے کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتی ہے۔ ایک تو یہ بات معلوم ہوئی۔

مخدوم کی ذمہ داری

دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی مخدوم کو ایسے کسی خادم سے کوئی راحت پہنچے تو اس مخدوم کے لیے سنت یہ ہے کہ خادم کے حق میں دعا کر لے، یعنی اس کی خدمت کا حق یہ ہے کہ اس کو تھوڑا سا خوش کیا جائے، خوش کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوگا کہ محض تعریف کر دے کہ بڑا اچھا کام کیا، اس سے بھی آدمی خوش ہو جاتا ہے، اس کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے، لیکن اس سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا کہ سن کر تھوڑا سا دل خوش ہو گیا۔

لیکن اگر اس کے حق میں دعا کر دیں تو یہ ایسی چیز ہے جو دنیا و آخرت میں اس کے لیے نافع ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہاں دعا دی اور دعا بھی ایسی کہ جو چیز ”تفقه فی الدین“ سا لہا سال کی مشقت سے بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی دعا فرمادی اور سید الانبیاء ﷺ کی دعا سے بڑی نعمت اور کیا ہے؟

اس واسطے معلوم ہوا کہ مخدوم خدمت لے کر خاموش نہ بیٹھا رہے، بلکہ اس کا کام ہے کہ خادم کو دعا دے، کم از کم ”جزاک اللہ“ ہی کہہ دے تاکہ اللہ ﷻ اس کو دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائیں۔

پیر صاحبان تو خدمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں، یہ سمجھے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی خادم خدمت کر رہا ہے تو وہ ہمارا قرضہ چکا رہا ہے، لہذا نہ شکر یہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہمت افزائی کی حاجت ہے، بلکہ الٹا ڈانٹ پھینکار ہی چلتی رہتی ہے، تو یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ اپنے خادم کی حوصلہ افزائی کرے اور یہ حوصلہ افزائی دعا کے ذریعے کرے، کیونکہ یہ خدمت کو اپنا حق سمجھ رہا ہے تاکہ حق ہونے کی بات اس کے ذہن سے نکل جائے، اس لیے کہ دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرا حق نہیں ہے۔ اللہ جل جلالہ ہی آپ کو اس کا بدلہ دیں۔

افراط و تفریط نہ ہونا چاہیے

یہ باتیں اس لیے ذکر کر رہا ہوں کہ ان میں بڑی افراط و تفریط ہوتی رہتی ہے، ابھی تو آپ یہاں طالب علم ہیں، خادم بن کر رہتے ہیں، لیکن جب استاذ بن کر جائیں گے تو پھر دماغ میں تھوڑا سا ”خناس“ آجائے گا کہ میں محتاج الیہ

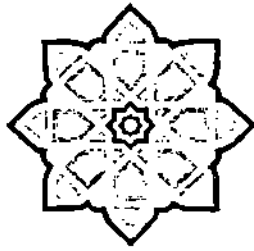
ہوں اور جو سامنے بیٹھے ہیں وہ محتاج ہیں، لہذا یہ خادم ہیں اور میں مخدوم ہوں، تو شاگردوں کے ساتھ معاملہ کبھی کبھار تکبر کی حدود میں آجاتا ہے اور بعض اوقات دل شکنی کی صورت میں آجاتا ہے، طالب علم بے چارہ کہے یا نہ کہے۔

اور اگر خدا نخواستہ پیر بن گئے تو اللہ اکبر، پھر تو چھوٹی سی خدائی ہے، جتنے مریدین ہیں، بے چارے سب بندے بن گئے۔ اللہ بچائے۔ پھر اس کی کھال اور چمڑی بھی حلال، ان کا مال اور آبرو بھی حلال۔ تو یہ سب باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہ سمجھنے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سنتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





بڑوں کی اطاعت

اور

ادب کے تقاضے

(اصلاحی خطبات ۳/۲۲۲)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بڑوں کی اطاعت

اور

ادب کے تقاضے



الْحَدُّ بِاللَّهِ نَحْدُهُ وَتَسْتَعِينُهُ وَتَسْتَغْفِرُهُ وَتُؤْمِنُ بِهِ
 وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
 سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
 يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
 لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
 عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
 وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَمَا بَعْدُ!

عن أبي العباس سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه أن
 رسول الله ﷺ بلغه أن بني عمرو بن عوف كان
 بينهم شر فخرج رسول الله ﷺ يصلح بينهم في

اناس معہ فحبس رسول اللہ ﷺ وحانت الصلاة (۱)

”باب الاصلاح بين الناس“ لوگوں کے درمیان صلح کرنے کا بیان چل رہا ہے، اس باب کی تین حدیثیں پیچھے گزر چکی ہیں اور یہ اس باب کی آخری حدیث ہے جو ذرا طویل ہے، اس لیے اس کا ترجمہ اور تشریح عرض کیے دیتا ہوں۔

لوگوں کے درمیان صلح کرانا

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے درمیان آپس میں جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آپ ﷺ نے ساتھ لے لیا، تاکہ اس مصالحت میں وہ مدد دیں۔ مصالحت کرانے کے دوران بات لمبی ہو گئی اور اتنی دیر ہو گئی کہ نماز کا وقت آ گیا، یعنی وہ وقت آ گیا جس میں نبی کریم ﷺ مسجد نبوی ﷺ میں نماز پڑھایا کرتے تھے، لیکن چونکہ آپ ﷺ ابھی تک فارغ نہیں ہوئے تھے اس لیے آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشاء یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے درمیان جھگڑے کو ختم کرانے اور مصالحت کرانے کو اتنی اہمیت دی اور اس میں اتنے مصروف ہوئے کہ نماز کا مقررہ وقت آ گیا اور آپ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف نہ لاسکے۔

(۱) صحیح البخاری ۶۶/۲ (۱۲۱۸) و صحیح مسلم ۳۱۶/۱ (۴۲۱) مذکور الصدر الفاظ امام نووی کی کتاب ریاض الصالحین ۱۱۲ (۲۵۱) کے ہیں۔ از مرتب

راوی فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور حضور اقدس ﷺ تشریف نہیں لائے تو وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر عرض کیا کہ جناب ابو بکر صدیق! آنحضرت ﷺ کو دیر ہو گئی ہے اور نماز کا وقت آ گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مزید کچھ دیر ہو جائے اور لوگ نماز کے انتظار میں رہیں، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ امامت کرادیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو ایسا کر سکتے ہیں، ہم نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حضور ﷺ کو دیر ہو گئی ہوگی۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ امامت کے لیے آگے بڑھ گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے اللہ اکبر کہا اور لوگوں نے تکبیر کہی، جب نماز شروع کر دی تو نماز کے دوران حضور مہی کریم ﷺ تشریف لے آئے اور صف میں ایک جگہ پر مقتدی کی حیثیت سے کھڑے ہو گئے۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لے آئے ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے آنے کے بارے میں پتہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ آگے امامت کر رہے ہیں، تو لوگوں کو خیال ہوا کہ اب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو علم ہو جانا چاہیے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں، تاکہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور آنحضرت ﷺ آگے ہو کر نماز پڑھائیں اور چونکہ اس وقت لوگوں کو مسئلہ معلوم نہیں تھا، اس لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دینے کے لیے نماز کے اندر تالیاں بجانا شروع کردیں اور ان کو متنبہ کرنا شروع کیا، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ جب نماز شروع کر دیتے تو ان کو دنیا و

مالیحا کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی اور وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے کہ دائیں بائیں کیا ہو رہا ہے۔ اس لیے شروع میں جب ایک دو آدمیوں نے تالی بجائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ اپنی نماز میں مصروف رہے، لیکن جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کچھ التفات نہیں فرما رہے ہیں تو اس وقت لوگوں نے زیادہ زور سے تالی بجانی شروع کر دی اور جب کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے تالی بجائی اور آواز بلند ہونے لگی تو اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کچھ شبہ ہوا اور کن اکھیوں سے دائیں بائیں دیکھنا شروع کیا تو اچانک دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صف میں تشریف فرما ہیں! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو صف میں دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہاتھ کے اشارے سے منع فرمایا کہ تم اپنی جگہ رہو، پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں، نماز پوری کر لو۔

لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو پھر ان کے بس میں نہ رہا کہ وہ اپنے مصلے پر کھڑے رہتے، اس لیے اُلٹے پاؤں پیچھے کی طرف ہٹنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ صف میں آ کر کھڑے ہو گئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آگے مصلے پر تشریف لے گئے اور پھر باقی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔

امام کو متنبہ کرنے کا طریقہ

جب نماز ختم ہو گئی تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور خطاب فرمایا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کوئی واقعہ پیش آجائے تو



تم تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہو، یہ طریقہ نماز کے شایان شان اور مناسب نہیں اور تالیاں بجانا تو عورتوں کے لیے مشروع ہے، یعنی بالفرض اگر خواتین کی جماعت ہو رہی ہو۔ ویسے خواتین کی جماعت اچھی اور پسندیدہ نہیں ہے یا خواتین نماز میں شامل ہوں اور وہ امام کو کسی بات کی طرف متوجہ کرنا چاہیں۔ تو ان کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر تالیاں بجائیں ان کے لیے نماز کے اندر زبان سے ”سبحان اللہ“ یا ”الحمد للہ“ کہنا اچھا نہیں ہے، کیونکہ اس طرح خاتون کی آواز مردوں کے کان میں جائے گی اور خاتون کی آواز کا بھی شریعت میں پردہ ہے، لہذا ان کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر کوئی واقعہ پیش آجائے جس کی وجہ سے امام کو کسی بات کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو، تو اس میں مردوں کے لیے طریقہ یہ ہے کہ وہ سبحان اللہ کہیں، مثلاً امام کو بیٹھنا چاہیے تھا اور مقتدیوں نے دیکھا کہ کھڑا ہو رہا ہے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ سبحان اللہ یا الحمد للہ کہیں یا امام کو کھڑا ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ بیٹھ گیا تو اس وقت بھی سبحان اللہ کہہ دیں یا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہری نماز ہے اور امام نے سزا قرأت شروع کر دی، تو اس وقت بھی اس کو الحمد للہ وغیرہ سے متنبہ کر دے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی بھی ایسا عمل پیش آجائے، جس کی وجہ سے اس کو تنبیہ کرنا مقصود ہو تو مقتدی ”سبحان اللہ“ کہہ دیں، تالیاں نہیں بجانی چاہیے۔

ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں تھی

اس کے بعد آپ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا کہ اے ابو بکر! میں نے تو آپ کو اشارہ کر دیا تھا کہ آپ اپنی

نماز جاری رکھیں اور پیچھے نہ ہٹیں، اس کے بعد پھر کیا وجہ ہوئی آپ پیچھے ہٹ گئے اور امامت کرنے سے آپ نے تردد کیا۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جواب دیا، فرمایا کہ

”مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يَصَلِّيَ بِالنَّاسِ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ“

یا رسول اللہ! ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ مجال نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں لوگوں کی امامت کرے۔ ابو قحافہ ان کے والد کا نام ہے، یعنی میری یہ مجال نہیں تھی کہ آپ کی موجودگی میں مصلیٰ پر کھڑا ہو کر امامت کرتا رہوں، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تھے تو بات دوسری تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو میرے اندر یہ تاب نہیں تھی کہ میں امامت جاری رکھوں، اس واسطے میں پیچھے ہٹ گیا۔ آنحضرت نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، بلکہ خاموشی اختیار فرمائی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام

اس سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس درجہ پیوست کر رکھی تھی کہ فرماتے ہیں کہ یہ بات میری برداشت سے باہر تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں اور میں آگے رہوں، اگرچہ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں پیش آیا اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کھڑے نہیں ہوئے تھے، لیکن جب پتہ لگ گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہیں تو پھر آگے کھڑا رہنا برداشت سے باہر تھا اس لیے پیچھے ہٹ گئے۔

الامر فوق الادب

یہاں ایک مسئلہ اور ادب عرض کر دوں جو مسنون ادب ہے، آپ نے وہ مشہور مقولہ سنا ہوگا کہ

”الامر فوق الادب“

یعنی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کوئی بڑا کسی بات کا حکم دے، چاہے اس بات پر عمل کرنا ادب کے خلاف معلوم ہو رہا ہو اور ادب کا تقاضہ یہ ہو کہ وہ عمل نہ کیا جائے، لیکن جب بڑے نے حکم دے دیا تو چھوٹے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے، یہ بڑی نازک بات ہے اور بعض اوقات اس پر عمل بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن دین پر عمل کرنے والے تمام بزرگوں کا ہمیشہ یہی معمول رہا ہے کہ جب کسی بڑے نے کسی کام کا حکم دیا تو ادب کے بجائے حکم کی تعمیل کو مقدم رکھا۔

بڑے کے حکم پر عمل کرے

مثلاً: فرض کر دو کہ ایک بڑا بزرگ شخص ہے، وہ کسی امتیازی جگہ جیسے تخت وغیرہ پر بیٹھا ہے، اب ایک شخص اس کے پاس آیا جو اس سے چھوٹا ہے، ان بزرگ نے کہا کہ بھائی! تم یہاں میرے پاس آ جاؤ۔ تو اس وقت اس کی بات مان لینی چاہیے، اگرچہ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ پاس نہ بیٹھے، دور ہو کر بیٹھے، اس کے پاس تخت پر جا کر بیٹھ جانا ادب کے خلاف ہے، لیکن جب بڑے نے حکم دے کر کہہ دیا کہ یہاں آ جاؤ تو اس وقت تعظیم کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کے حکم پر عمل کرے، چاہے دل میں یہ بات بری لگ رہی ہو کہ میں بڑے کے بالکل قریب بیٹھ جاؤں۔ اس لیے کہ ادب کے مقابلے میں حکم کی تعمیل زیادہ مقدم ہے۔

دین کا خلاصہ ”اتباع“ ہے

میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ سارے دین کا خلاصہ ہے اتباع، بڑے کے حکم کو ماننا، اس کے آگے سر تسلیم خم کر دینا، اللہ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول ﷺ کے وارثین کی اتباع، بس وہ جو کہہ رہے ہیں اس پر عمل کرو، چاہے ظاہر میں وہ بات تمہیں ادب کے خلاف معلوم ہو۔

حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کی مجلس میں میری حاضری

حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کی مجلس اتوار کے دن ہوا کرتی تھی۔ اس لیے کہ اس زمانے میں اتوار کی سرکاری چھٹی ہوا کرتی تھی، یہ آخری مجلس کا واقعہ ہے، اس کے بعد حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کی کوئی مجلس نہیں ہوئی، بلکہ اگلی مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی والد صاحب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، چونکہ والد صاحب بیمار اور صاحب فراش تھے، اس لیے آپ کے کمرے میں ہی لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے، والد صاحب چار پائی پر ہوتے، لوگ سامنے نیچے اور صوفوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے، اس روز لوگ بہت زیادہ آئے اور کمرہ پورا بھر گیا حتیٰ کہ کچھ لوگ کھڑے بھی ہو گئے اور مجھے حاضری میں تاخیر ہوئی۔ میں ذرا دیر سے پہنچا، حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: تم یہاں میرے پاس آ جاؤ، میں ذرا جھپکنے لگا کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا اور چیرتا ہوا جاؤں گا اور حضرت والد صاحب رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر بیٹھوں گا، اگرچہ یہ بات ذہن میں مستحضر تھی کہ جب بڑا کوئی بات کہے تو مان لینی چاہیے، لیکن میں ذرا ہچکچا رہا تھا، حضرت والد

صاحب رحمہ نے جب میری پچکچاہٹ دیکھی تو دوبارہ فرمایا: تم یہاں آ جاؤ تو تمہیں ایک قصہ سناؤں۔ خیر میں کسی طرح وہاں پہنچ گیا اور حضرت والد صاحب کے پاس بیٹھ گیا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس میں والد صاحب کی حاضری

والد صاحب فرمانے لگے کہ ایک مرتبہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مجلس ہو رہی تھی اور وہاں اسی طرح کا قصہ پیش آیا کہ جگہ تنگ ہو گئی اور بھر گئی اور میں ذرا تاخیر سے پہنچا تو حضرت والد رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ تم یہاں میرے پاس آ جاؤ، میں کچھ جھکنے لگا کہ حضرت رحمہ اللہ کے بالکل پاس جا کر بیٹھ جاؤں تو حضرت والد نے دوبارہ فرمایا کہ تم یہاں آ جاؤ، پھر میں تمہیں ایک قصہ سناؤں گا۔ حضرت والد صاحب رحمہ فرماتے ہیں کہ پھر میں کسی طرح پہنچ گیا اور حضرت والد کے پاس جا کر بیٹھ گیا، تو حضرت والد رحمہ اللہ نے ایک قصہ سنایا۔

عالمگیر اور دارا شکوہ کے درمیان تخت نشینی کا فیصلہ

قصہ سنایا کہ مغل بادشاہ عالمگیر رحمہ اللہ کے والد کے انتقال کے بعد باپ کی جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا اور یہ دو بھائی تھے۔ ایک عالمگیر اور دوسرے دارا شکوہ، آپس میں رقابت تھی۔ عالمگیر بھی اپنے باپ کے جانشین اور بادشاہ بننا چاہتے تھے اور ان کے بھائی دارا شکوہ بھی تخت کے طالب تھے۔ ان کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، دونوں نے ارادہ کیا کہ ان بزرگ سے جا کر اپنے حق میں دعا کرائی جائے۔ پہلے دارا شکوہ ان بزرگ کے پاس زیارت اور دعا کے لیے پہنچے، اس وقت وہ بزرگ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان بزرگ نے دارا شکوہ سے کہا

کہ یہاں میرے پاس آجاؤ اور تخت پر بیٹھ جاؤ، دارا شکوہ نے کہا کہ نہیں حضرت، میری مجال نہیں ہے کہ میں آپ کے پاس تخت پر بیٹھ جاؤں، میں تو یہاں نیچے ہی ٹھیک ہوں، ان بزرگ نے پھر کہا کہ میں تمہیں بلارہا ہوں، یہاں آجاؤ، لیکن وہ نہیں مانے اور ان کے پاس نہ گئے، وہیں بیٹھے رہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری مرضی، پھر ان بزرگ نے ان کو جو نصیحت فرمائی تھی وہ فرمادی اور وہ واپس چلے گئے۔

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ آگئے، جب وہ سامنے نیچے بیٹھنے لگے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تم یہاں میرے پاس آجاؤ، وہ فوراً جلدی سے اٹھے اور ان بزرگ کے پاس جا کر تخت پر بیٹھ گئے پھر ان کو جو نصیحت فرمائی تھی وہ فرمادی جب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ واپس چلے گئے تو ان بزرگ نے اپنی مجلس کے لوگوں سے فرمایا کہ ان دونوں بھائیوں نے تو خود ہی اپنا فیصلہ کر لیا۔ دارا شکوہ کو ہم نے تخت پیش کیا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اور عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کیا تو انہوں نے لے لیا، اس واسطے دونوں کا فیصلہ ہو گیا۔ اب تخت شاہی عالمگیر کو ملے گا چنانچہ ان کو ہی مل گیا۔

یہ واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا۔

حیل و حجت نہ کرنا چاہیے

یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے۔ بہر حال! ادب یہ ہے کہ جب بڑا کہہ رہا ہے کہ یہ کام کر لو، تو اس میں زیادہ حیل و حجت کرنا ٹھیک بات نہیں، اس وقت تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ جا کر بیٹھ جائے، اس لیے کہ بڑے کے حکم کی تعمیل ادب پر مقدم ہے۔

بزرگوں کے جوتے اٹھانا

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی بزرگ کے جوتے اٹھانا چاہتے ہیں۔ اب اگر وہ بزرگ زیادہ اصرار کے ساتھ یہ کہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں تو اس صورت میں بھی تعظیم کا تقاضہ یہ ہے کہ چھوڑ دے اور جوتے نہ اٹھائے۔ بعض اوقات لوگ اس میں چھینا جھٹی شروع کر دیتے ہیں اور برسریکار ہو جاتے ہیں، یہ تعظیم کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ مقولہ مشہور ہے کہ

”الامر فوق الأدب“

حکم کی تعمیل ادب کے تقاضے پر مقدم ہے بڑا جو کہے اس کو مان لو، ہاں! ایک دو مرتبہ بزرگ سے یہ کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حضرت! مجھے اس خدمت کا موقع دیجیے، لیکن جب بڑے نے حکم ہی دے دیا تو اس صورت میں حکم کی تعمیل ہی واجب ہے، وہی کرنا چاہیے، عام حالات کا دستور یہی ہے جس کام کا حکم دیا جائے اس کے مطابق عمل کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہی ہے۔

صحابہ کرام کے دو واقعات

البتہ اس واقعے میں جو آپ نے دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر کھڑے رہو، لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور ادب کے تقاضے پر عمل کیا اور حکم نہیں مانا تو اس قسم کے واقعات پورے عہد صحابہ میں صرف دو ملتے ہیں کہ جن میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، لیکن صحابہ نے ادب کے تقاضے کو حکم کی تعمیل پر مقدم رکھا، ایک تو یہی واقعہ ہے اور ایک واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

خدا کی قسم! میں نہیں مٹاؤں گا

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ کے درمیان صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا کہ تم لکھو۔ انہوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب معاہدے کی شرائط لکھنی شروع کیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ پر لکھا ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ تو جو شخص کفار کی طرف سے صلح کی شرائط طے کرنے آیا تھا اس نے کہا ہم تو ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نہیں لکھنے دیں گے اور چوں کہ یہ صلح نامہ دونوں کی طرف سے ہوگا اس لیے اس میں ایسی بات ہونی چاہیے جس پر دونوں متفق ہوں۔ ہم ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے اپنے کام کا آغاز نہیں کرتے، ہم تو ”باسمک اللہم“ لکھتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کے بجائے ”باسمک اللہم“ یعنی اے اللہ! آپ کے نام سے ہم شروع کرتے ہیں۔ لکھتے تھے۔ اس لیے اس نے کہا کہ اس کو مٹادیں اور باسمک اللہم لکھیں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ہمارے لیے اس میں کیا فرق پڑتا ہے، ”باسمک اللہم“ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے چلو وہ مٹادو اور یہ لکھ دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ”باسمک اللہم“ لکھ دیا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ لکھنا شروع کیا کہ یہ معاہدہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سرداران مکہ کے درمیان طے پایا۔ کفار کی طرف سے جو نمائندہ

تھا، اس نے پھر اعتراض کیا کہ آپ (ﷺ) نے ”محمد“ کے ساتھ ”رسول اللہ“ کیسے لکھ دیا؟ اگر ہم آپ کو ”رسول اللہ“ مان لیں تو پھر جھگڑا ہی کیسا؟ سارا جھگڑا تو اس بات پر ہے کہ ہم آپ کو رسول اللہ تسلیم نہیں کرتے، لہذا یہ معاہدہ جس پر آپ نے ”محمد“ کے ساتھ ”رسول اللہ“ بھی لکھا ہے۔ ہم اس پر دستخط نہیں کریں گے۔ آپ صرف یہ لکھیں کہ ”یہ معاہدہ محمد بن عبد اللہ اور سرداران قریش کے درمیان طے پایا۔“ تو پھر حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: چلو کوئی بات نہیں، تم تو مجھے اللہ کا رسول مانتے ہو اس لیے ”محمد“ کے ساتھ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی بات تو مان لی تھی اور ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کے بجائے ”باسمک اللہم“ لکھ دیا تھا، لیکن جب حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا کہ ”محمد رسول اللہ“ کاٹ کر ”محمد بن عبد اللہ“ لکھ دو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً بے ساختہ فرمایا کہ ”واللہ لا احوہ“ خدا کی قسم میں لفظ ”رسول اللہ“ کو نہیں مٹاؤں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے جذبات کو محسوس فرمایا اور فرمایا: اچھا تم نہ مٹاؤ مجھے دو میں اپنے ہاتھ سے مٹاؤں گا، چنانچہ وہ عہد نامہ آپ ﷺ نے ان سے لے کر اپنے دست مبارک سے ”رسول اللہ“ کا لفظ مٹا دیا۔^(۱)

اگر حکم کی تعمیل اختیار سے باہر ہو جائے

یہاں بھی یہی واقعہ ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو حکم

(۱) صحیح البخاری ۱۸۸/۳ (۲۶۹۸-۲۶۹۹) و صحیح مسلم ۱۴۰۹/۳ (۱۷۸۳)

دیا تھا انہوں نے اس کی تعمیل سے انکار فرمایا اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ ادب کو حکم پر مقدم کر لیا۔ حالانکہ حکم ادب پر مقدم ہے اس کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ اصل قاعدہ تو وہی ہے کہ بڑا جو کہہ رہا ہے اس کو ماننے اور اس کی تعمیل کرے، لیکن بعض اوقات انسان کسی حالت سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے حکم کی تعمیل کرنا اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔ گویا کہ اس کے اندر اس کام کی استطاعت اور طاقت ہی نہیں ہوتی۔ اس وقت اگر وہ اس کام سے پیچھے ہٹ جائے تو اس پر یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے نافرمانی کی، بلکہ اس پر یہ حکم صادق آئے گا کہ ”لَا يَكْلِفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا“^(۱) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتے۔ تو پہلے واقعہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو خود ہی فرمادیا کہ یہ بات میرے بس سے باہر تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں موجود ہوں اور ابو قحافہ کا بیٹا امامت کرتا رہے اور دوسرے واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنے مغلوب الحال تھے کہ یہ بات ان کے بس سے باہر تھی کہ وہ ”محمد“ کے نام سے ”رسول اللہ“ کا لفظ مٹادیں، بس اس واسطے انہوں نے مٹانے سے انکار کر دیا۔

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

لیکن اصل حکم وہی ہے کہ محبوب جو بات کہے اس کو مانو، اپنی نہ چلاؤ وہ جس طرح کہہ دے اسی کے مطابق عمل کرو

(۱) سورة البقرة آیت (۲۸۶)

نہ ہی ہجر اچھا نہ ہی وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

عشق تسلیم و رضا کے ما سوا کچھ بھی نہیں
وہ وفا سے خوش نہ ہوں تو پھر وہ وفا کچھ بھی نہیں

اگر ان کی خوشی اس میں ہے کہ میں ایسا کام کروں جو بظاہر ادب کے
خلاف لگ رہا ہے تو پھر وہی کام بہتر ہے جس کے اندر اس کی خوشی ہے اور ان کی
رضا ہے۔

خلاصہ

بہر حال! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ جو یہاں یہ حدیث لائے ہیں۔ وہ اس بات کی
طرف اشارہ کرنے کے لائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے جھگڑے
نمٹانے کی اور ان کے درمیان آپس میں صلح کرانے کی اتنی اہمیت تھی کہ نماز کا جو
وقت مقرر تھا، اس سے آپ کو کچھ دیر بھی ہو گئی، لیکن آپ اس کے اندر مشغول
رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپس کے جھگڑوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





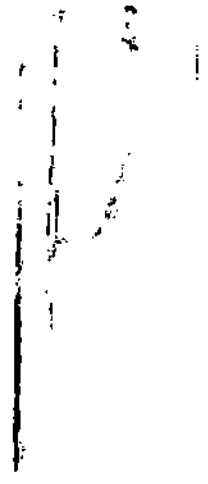


بڑے کا اکرام کیجیے

(اصلاحی خطبات: ۱۰/۲۲۲)

بڑے کا آرام ہے

موسمِ بہار



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بڑے کا اکرام کیجیے



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَمَا بَعْدُ!

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: «إِذَا
أَتَاكُمْ كَرِيمٌ قَوْمٍ فَأَكْرَمُوهُ»^(۱)

(۱) سنن ابن ماجه ۲۸۴/۵ (۳۷۱۲) وأورده البوصيري في "مصباح الزجاجة" ۱۱۱/۴ وقال:
هذا إسناد ضعيف، لضعف سعيد بن مسلمة. رواه الطبراني في الأوسط ۳۶۹/۵
(۵۵۸۲) والكبير ۳۰۴/۱۱ (۱۱۸۱۱) وقال الهيثمي في "مجمع الزوائد" ۳۶۸/۸ (۱۳۶۲۳)
وفي اسناد الكبير عيينة بن يقطان، وثقه ابن حبان وكذلك مالك بن الحسن بن مالك
بن الحويرث وفيها ضعف، وبقيت رجال الكبير ثقة. (دار الفكر)

جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز مہمان آئے تو تم اس کا
اکرام کرو۔

یعنی اگر کوئی شخص کسی قوم کا سردار ہے یا صاحب منصب ہے اور اس قوم کے
اندر اس کو معزز سمجھا جاتا ہے، جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کا اکرام کرو۔

اکرام کا ایک انداز

ویسے تو شریعت میں ہر مسلمان کا اکرام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کوئی
مسلمان بھائی تمہارے پاس آئے تو اس کا حق ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے اور
اس کی عزت کی جائے۔ حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر آپ کسی
جگہ پر بیٹھے ہیں اور کوئی مسلمان تمہارے پاس ملنے آ گیا تو کم از کم اتنا ضرور ہونا
چاہیے کہ اس کے آنے پر تم تھوڑی سی حرکت کر لو^(۱)۔ یہ نہ ہو کہ ایک مسلمان
بھائی تم سے ملنے کے لیے آیا، لیکن تم اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے، بلکہ
بت بنے بیٹھے رہے۔ یہ طریقہ اس کے اکرام کے خلاف ہے۔ لہذا کم از کم تھوڑی
سی اپنی جگہ سے حرکت کرنی چاہیے تاکہ آنے والے کو یہ محسوس ہو کہ اس نے
میرے آنے پر میری عزت کی ہے اور میرا اکرام کیا ہے۔

(۱) الزهد لہناد بن السری ۴۹۸/۲ طبع دار الخلفاء۔ الکویت۔ وشعب الايمان للبيهقي
۲۷۲/۱۱ (۸۵۳۴)۔ والمعجم الكبير للطبراني ۹۵/۲۲ (۲۲۸) وقال الهيثمي في "المجمع"
۸۱/۸ (۱۲۷۸۷): رواه الطبراني، ورجاله ثقات، إلا أن أبا عمير عيسى بن محمد النحاس
لم أجده سماعاً من أبي الأسود، والله أعلم.

اکرام کے لیے کھڑا ہو جانا

ایک طریقہ ہے دوسرے کے اکرام کے لیے کھڑا ہو جانا، مثلاً کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو آپ اس کی عزت اور اکرام کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جائیں۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص آنے والا ہے اگر وہ اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ لوگ میرے اکرام اور میری عزت کے لیے کھڑے ہوں، تو اس صورت میں کھڑا ہونا درست نہیں۔ اس لیے کہ یہ خواہش اس بات کی نشان دہی کر رہی ہے کہ اس کے اندر تکبر اور بڑائی ہے اور وہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے، اس لیے وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ میرے لیے کھڑے ہوں۔ ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس کے لیے نہ کھڑے ہوں، لیکن اگر آنے والے شخص کے دل میں یہ خواہش نہیں ہے کہ لوگ میرے لیے کھڑے ہوں، اب آپ اس شخص کے علم یا اس کے تقویٰ یا اس کے منصب کی وجہ سے اس کا اکرام کرتے ہوئے اس کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کوئی گناہ بھی نہیں اور کھڑا ہونا واجب بھی نہیں۔

حدیث سے کھڑے ہونے کا ثبوت

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مواقع پر صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دیا، چنانچہ جب بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے بلایا اور وہ تشریف لائے تو آپ نے اس وقت بنو قریظہ کے حضرات سے فرمایا:

”قوموا الی سیدکم“^(۱)

(۱) صحیح البخاری ۶۷/۴ (۲۰۴۳) و صحیح مسلم ۱۲۸۸/۳ (۱۷۶۸)۔

یعنی تمہارے سردار آرہے ہیں، ان کے لیے تم کھڑے ہو جاؤ۔ لہذا ایسے موقع پر کھڑے ہونا جائز ہے، اگر کھڑے نہ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن حدیث میں اس بات کی تاکید ضرور آئی ہے کہ کسی کے آنے پر یہ نہ ہو کہ آپ بت بنے بیٹھے رہیں اور اپنی جگہ پر حرکت بھی نہ کریں اور نہ اس کے آنے پر خوشی کا اظہار کریں، بلکہ آپ نے فرمایا کہ کم از کم اتنا تو کر لو کہ اپنی جگہ پر ذرا سی حرکت کر لو، تاکہ آنے والے کو یہ احساس ہو کہ میرا اکرام کیا ہے۔

مسلمان کا اکرام ”ایمان“ کا اکرام ہے

ایک مسلمان کا اکرام اور اس کی عزت درحقیقت اس ”ایمان“ کا اکرام ہے جو اس مسلمان کے دل میں ہے۔ جب ایک مسلمان کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ پر ایمان رکھتا ہے اور وہ ایمان اس کے دل میں ہے، تو اس کا تقاضہ اور اس کا حق یہ ہے کہ اس مسلمان کا اکرام کیا جائے، اگرچہ ظاہری حالت کے اعتبار سے وہ مسلمان تمہیں کمزور نظر آ رہا ہو اور اس کے اعمال اور اس کی ظاہری شکل و صورت پوری طرح دین کے مطابق نہ ہو، لیکن تمہیں کیا معلوم کہ اس کے دل میں جو ایمان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، اس ایمان کا کیا مقام ہے؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا ایمان کتنا مقبول ہے؟ محض ظاہری شکل و صورت سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہر آنے والے مسلمان کا بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

ایک نوجوان کا سبق آموز واقعہ

ایک مرتبہ میں دارالعلوم میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت ایک

نوجوان میرے پاس آیا۔ اس نوجوان میں سر سے لے کر پاؤں تک ظاہری اعتبار سے اسلامی وضع قطع کی کوئی بات نظر نہیں آرہی تھی، مغربی لباس میں ملبوس تھا۔ اس کی ظاہری شکل دیکھ کر بالکل اس کا پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس کے اندر بھی دینداری کی کوئی بات موجود ہوگی۔ میرے پاس آ کر کہنے لگے کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ کیا مسئلہ ہے؟ وہ کہنے لگا کہ مسئلہ یہ ہے کہ میں ”اچوری“ (Actuary) ”ماہر شماریات“ ہوں، (انشورنس کمپنیوں میں جو حسابات وغیرہ لگائے جاتے ہیں کہ کتنا ”پریمیم“ ہونا چاہیے اور انشورنس کی کتنی رقم ہونی چاہیے؟ اس قسم کے حسابات کے لیے ”اچوری“ رکھا جاتا ہے۔ اس زمانے میں پاکستان بھر میں کہیں بھی یہ علم نہیں پڑھایا جاتا تھا، پھر اس نوجوان نے کہا کہ) میں نے یہ علم حاصل کرنے کے لیے ”انگلینڈ“ کا سفر کیا اور وہاں سے یہ حاصل کر کے آیا ہوں (اس وقت پورے پاکستان میں اس فن کو جاننے والے دو تین سے زیادہ نہیں تھے اور جو شخص ”ماہر شماریات“ بن جاتا ہے وہ انشورنس کمپنی کے علاوہ کسی اور جگہ پر کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

بہر حال! اس نوجوان نے کہا کہ) اور میں نے یہاں آ کر ایک انشورنس کمپنی میں ملازمت کر لی۔ اور چونکہ پاکستان بھر میں اس کے ماہر بہت کم تھے اس لیے ان کی مانگ بھی بہت تھی اور ان کی تنخواہ اور سہولتیں بھی بہت زیادہ تھیں۔ اس لیے میری تنخواہ اور سہولتیں بھی بہت زیادہ ہیں، لہذا میں نے یہ ملازمت اختیار کر لی۔ جب یہ سب کچھ ہو گیا؛ تعلیم حاصل کر لی، ملازمت اختیار کر لی، تو اب مجھے کسی نے بتایا کہ یہ انشورنس کا کام حرام ہے، جائز نہیں۔ اب میں آپ سے اس کی تصدیق کرنے آیا ہوں کہ واقعتاً یہ حرام ہے یا حلال ہے؟

انشورنس کا ملازم کیا کرے؟

میں نے اس سے کہا کہ اس وقت انشورنس کی جتنی صورتیں رائج ہیں، ان میں کسی میں سود ہے، کسی میں جوا ہے، اس لیے وہ سب حرام ہیں اور اس وجہ سے انشورنس کمپنی میں ملازمت بھی جائز نہیں، البتہ ہمارے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی بینک میں یا انشورنس کمپنی میں ملازم ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے دوسرا حلال اور جائز ذریعہ معاش تلاش کرے اور اہتمام اور کوشش کے ساتھ اس طرح تلاش کرے جیسے ایک بے روزگار تلاش کرتا ہے اور جب اس کو دوسرا حلال ذریعہ آمدنی مل جائے تو اس وقت اس حرام ذریعہ کو چھوڑ دے۔ یہ بات ہمارے بزرگ اس لیے فرماتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں کہ کس کے حالات کیسے ہوں، اب اگر کوئی شخص فوراً اس حرام ذریعہ کو چھوڑ دے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو جائے، پھر شیطان آ کر اس کو یہ بہکا دے کہ دیکھو تم دین پر عمل کرنے چلے تھے تو اس کے نتیجے میں تم پر یہ مصیبت آگئی۔ اس لیے ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ اس حرام ملازمت کو فوراً مت چھوڑو، بلکہ دوسری جگہ ملازمت تلاش کرو، جب حلال روزگار مل جائے تو اس وقت اس کو چھوڑ دینا۔

میں مشورہ لینے نہیں آیا

میرا یہ جواب سن کر وہ نوجوان مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں آپ سے یہ مشورہ لینے نہیں آیا کہ ملازمت چھوڑ دوں یا نہ چھوڑوں؟ میں آپ سے صرف یہ بات پوچھنے آیا ہوں کہ یہ کام حلال ہے یا حرام ہے؟ میں نے اس سے کہا کہ حلال اور حرام ہونے کے بارے میں بھی میں نے آپ کو بتا دیا اور ساتھ



میں بزرگوں سے جو بات سنی تھی وہ بھی آپ کو بتادی۔ اس نوجوان نے کہا کہ آپ مجھے اس کا مشورہ نہ دیں کہ میں ملازمت چھوڑوں یا نہ چھوڑوں۔ بس! آپ مجھے صاف اور دو ٹوک لفظوں میں یہ بتادیں کہ یہ ملازمت حلال ہے یا نہیں؟ میں نے کہا حرام ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ یہ بتائیں کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے یا آپ نے حرام کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ نے حرام کیا ہے۔ اس نوجوان نے کہا کہ جس اللہ نے اس کو حرام کیا ہے وہ مجھے رزق سے محروم نہیں کرے گا، لہذا اب میں یہاں سے اس دفتر میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے تو وہ ایسا نہیں کرے گا کہ مجھ پر رزق کے دروازے بند کر دے، لہذا میں آج ہی سے اس کو چھوڑتا ہوں۔

ظاہری شکل پر مت جاؤ



اب دیکھیے! ظاہری شکل و صورت سے دور دور تک پتہ نہیں لگتا تھا کہ اس اللہ کے بندے کے دل میں ایسا پختہ ایمان ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسا پختہ بھروسہ ہوگا اور توکل ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا پختہ توکل عطا فرمایا تھا اور واقعتاً اس نوجوان نے وہ ملازمت اسی دن چھوڑ دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو خوب نوازا اور دوسرے حلال روزگار اس کو عطا فرمائے، وہ اب امریکہ میں ہے، آج تک اس نوجوان کی یہ بات میرے دل پر نقش ہے۔

بہر حال! کسی کی ظاہری حالت دیکھ کر ہم اس پر کیا حکم لگائیں، معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایمان کی کیسی شمع روشن کی ہوئی ہے اور اس کو اپنی ذات پر کیسا بھروسہ اور کیسا توکل عطا فرمایا ہوا ہے؟ لہذا کسی بھی انسان کی

تخفیر مت کرو، جو صاحب ایمان ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے "انہما ان" فرمایا ہے۔ وہ قابل اکرام ہے۔ اسی وجہ سے ہر صاحب ایمان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ہر بیشہ گمان مسبر کہ خالی است

شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

یعنی گمان مت کرو کہ ہر جنگل خالی ہوگا، پتہ نہیں کیسے کیسے شیر اور چیتے اس میں سوئے ہوئے ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان کی دولت عطا فرمادیں تو اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس صاحب ایمان کی قدر کریں، اس کی عزت کریں اور اس کے ایمان کا اکرام کریں جو اس کے دل میں ہے۔

معزز کافر کا اکرام

ویسے تو ہر مسلمان کے اکرام کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس حدیث میں یہاں تک فرمایا کہ اگر آنے والا کافر ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ اپنی قوم میں معزز سمجھا جاتا ہے، اس کی عزت کی جاتی ہے، لوگ اس کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کو اپنا بڑا مانتے ہیں، چاہے وہ کافر اور غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس کے آنے پر بھی تم اس کا اکرام کرو اور اس کی عزت کرو۔ یہ اسلامی اخلاق کا ایک تقاضہ ہے کہ اس کی عزت کی جائے۔ یہ عزت اس کے کفر کی نہیں ہے، کیوں کہ اس کے کفر سے تو نفرت اور کراہیت کا معاملہ کریں گے، لیکن چونکہ اس کو اپنی قوم میں باعزت سمجھا جاتا ہے، اس لیے جب وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی مدارات

کے لیے اس کا اکرام کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے نفرت کرنے کے نتیجے میں تم اس کے ساتھ ایسا برتاؤ اختیار کر لو کہ وہ تم سے اور تمہارے دین ہی سے متنفر ہو جائے، اس لیے اس کا اکرام کرو۔

کافروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کافروں کے بڑے بڑے سردار آیا کرتے تھے، جب وہ سردار حضور اقدس سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو ان کو کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہماری بے عزتی ہوئی ہے، بلکہ آپ نے ان کی عزت کی، ان کا اکرام کیا، ان کو عزت سے بٹھایا اور عزت کے ساتھ ان سے بات کی۔ یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہ اگر کافر بھی ہمارے پاس آجائے تو اس کو بھی بے عزتی کا احساس نہ ہو۔

ایک کافر شخص کا واقعہ

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ سامنے سے ایک صاحب آتے ہوئے دکھائی دیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ بنتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تشریف فرما تھیں، آپ نے فرمایا اے عائشہ! یہ شخص جو سامنے سے آرہا ہے یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، پھر جب وہ شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اس کا اکرام کیا اور بڑی عزت کے ساتھ اس سے بات چیت کی۔ جب وہ شخص بات چیت کرنے کے بعد واپس چلا گیا تو حضرت عائشہ بنتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے خود ہی تو فرمایا تھا کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے، لیکن جب یہ شخص

آ گیا تو آپ نے اس کی بڑی عزت کی اور اس سے بڑی نرمی کے ساتھ پیش آئے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”وہ آدمی بہت برا ہے جس کے شر سے بچنے کے لیے اس کا اکرام کیا جائے۔“^(۱)

یہ غیبت جائز ہے

اس حدیث میں دو سوال پیدا ہوتے ہیں: پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص دور سے چلتا ہوا آ رہا تھا تو اس کے آنے سے پہلے ہی اس کی پیٹھ پیچھے حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کی برائی بیان کی کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو غیبت ہے، اس لیے کہ پیٹھ پیچھے ایک آدمی کی برائی بیان کی جا رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں یہ غیبت نہیں، اس لیے کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے شخص کے شر سے بچانے کی نیت سے اس کی برائی بیان کی جائے تو یہ غیبت نہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کو متنبہ کرنے کے لیے اس سے کہے کہ تم فلاں شخص سے ذرا محتاط رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں دھوکہ دے جائے یا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں تکلیف پہنچائے تو یہ غیبت میں داخل نہیں، حرام اور ناجائز نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں یہ بتانا واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ فلاں شخص فلاں آدمی کو دھوکہ دے گا اور اس دھوکے کے نتیجے میں اس دوسرے شخص کو مالی یا جانی سخت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے تو آپ پر واجب ہے کہ آپ اس دوسرے شخص کو بتادیں کہ دیکھو فلاں آدمی تمہیں دھوکہ دینا چاہتا ہے، تاکہ وہ

(۱) صحیح البخاری ۸/۱۳۸ (۶۰۳۲) و صحیح مسلم ۴/۲۰۰۲ (۲۵۹۱)

شر سے محفوظ رہے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں۔

لہذا جب حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بتایا کہ یہ شخص قبیلے کا برا آدمی ہے، تو اس بتانے کا منشا یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کسی وقت دھوکہ دے جائے یا کہیں اس شخص پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہوئے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا کوئی دوسرا مسلمان کوئی ایسا کام کر گزے جس کی وجہ سے بعد میں انہیں پچھتاوا ہو۔ اس لیے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے بارے میں پہلے سے بتادیا۔

برے آدمی کا آپ نے اکرام کیوں کیا؟

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپ نے اس کی برائی بیان فرمائی اور دوسری طرف جب وہ شخص آ گیا تو آپ نے اس کی بڑی عزت فرمائی اور بڑی خاطر تواضع فرمائی۔ اس میں ظاہر اور باطن میں فرق ہو گیا کہ سامنے کا معاملہ کچھ ہے اور پیچھے کچھ اور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، جنہوں نے ایک ایک چیز کی حد بیان فرمائی ہے، لہذا متنبہ کرنے کے لیے تو آپ نے اتنا بتادیا کہ یہ شخص برا آدمی ہے، لیکن جب وہ شخص ہمارے پاس مہمان بن کر آیا ہے تو مہمان ہونے کی حیثیت سے بھی اس کا کچھ حق ہے، وہ یہ کہ ہم اس کے ساتھ عزت سے پیش آئیں اور اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو ایک مہمان کے ساتھ کرنا چاہیے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے یہی برتاؤ فرمایا۔

وہ آدمی بہت برا ہے

اس حدیث میں ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگر برے آدمی کا اکرام نہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچادے یا کسی مصیبت کے اندر مبتلا کردے یا تمہارے ساتھ وہ کوئی ایسا معاملہ کر دے جس کے نتیجے میں تمہیں آئندہ پچھتانا پڑے، اس لیے اگر کسی برے آدمی سے ملاقات کی نوبت آجائے تو اس کا اکرام کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے شر سے اپنی جان کو اور اپنے مال کو اور اپنی آبرو کو بچانا بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ اسی لیے حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث میں صاف صاف ارشاد فرمایا کہ ”وہ آدمی بہت برا ہے جس کے شر سے بچنے کے لیے لوگ اس کا اکرام کریں۔“ لوگ اس کا اکرام اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ وہ آدمی اچھا ہے، بلکہ اس لیے اس کا اکرام کر رہے ہیں کہ اگر اس کا اکرام نہیں کریں گے تو یہ تکلیف پہنچائے گا۔ ایسی صورت میں بھی اکرام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ اکرام جائز حدود کے اندر ہو اور اس کی وجہ سے کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

حضور اقدس ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کے ایک ایک جز میں نہ جانے کتنے بے شمار سبق ہمارے اور آپ کے لیے موجود ہیں۔ آپ نے غیبت کی حد بتادی کہ اتنی بات غیبت ہے، اتنی بات غیبت میں داخل نہیں اور اکرام کرنا کوئی منافقت نہیں، بلکہ حکم یہ ہے کہ وہ آنے والا خواہ کیسا ہی کافر اور فاسق و فاجر ہو، لیکن جب وہ تمہارے پاس مہمان بن کر آئے تو اس کی عزت کرو، اس کا اکرام کرو، کیوں کہ یہ بات منافقت میں داخل نہیں۔

سر سید کا ایک واقعہ

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سر سید کا یہ واقعہ سنا۔ اب تو وہ اللہ کے پاس چلے گئے، اب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا معاملہ ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی عقائد کے اندر جو گڑبڑ کی ہے وہ بڑی خطرناک قسم کی ہے، مگر چونکہ ابتداءً وہ بزرگوں کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے اور باقاعدہ عالم بھی تھے، اس لیے ان کے اخلاق اچھے تھے۔ بہر حال! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ کچھ بے تکلف دوست بھی تھے، سامنے دور سے ان کو ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا، وہ آنے والا عام ہندوستانی لباس پہنا ہوا چلا آ رہا تھا، لیکن جب وہ کچھ قریب آ گیا تو باہر ہی ایک حوض کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، اس کے ایک ہاتھ میں ایک تھیلا تھا، اس تھیلے میں سے اس نے ایک عربی جبہ نکالا، اور عرب لوگ سر پر رومال کے اوپر جو ڈوری باندھتے ہیں وہ نکالی اور ان دونوں کو پہنا اور پھر قریب آنے لگا۔ سر سید صاحب دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ یہ جو شخص آ رہا ہے یہ فراڈی آدمی معلوم ہو رہا ہے اس لیے کہ یہ شخص اب تک تو سیدھے سادھے ہندوستانی لباس میں آ رہا تھا، یہاں قریب آ کر اس نے اپنا چولہ بدل لیا ہے اور عربی لباس پہن لیا ہے، اب یہاں آ کر یہ اپنے آپ کو عرب ظاہر کرے گا اور پھر پیسے مانگے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص ان کے پاس پہنچ گیا اور آ کر دروازے پر دستک دی، سر سید صاحب نے جا کر دروازہ کھولا اور عزت کے ساتھ ان کو اندر بلا یا۔ سر سید نے پوچھا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ

میں حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوں۔ یہ حضرت شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے صوفیاء کرام میں سے تھے اور پھر اس شخص نے کچھ اپنی ضرورت بیان کی کہ میں اس ضرورت سے آیا ہوں، آپ میری کچھ مدد کریں چنانچہ سرسید صاحب نے پہلے اس کی خوب خاطر تواضع کی اور پھر جتنے پیسوں کی اس کو ضرورت تھی اس سے زیادہ لاکر اس کو دے دیے اور پھر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کو رخصت کر دیا۔

آپ نے اس کی خاطر مدارات کیوں کی؟

جب وہ شخص واپس چلا گیا تو ان کے ساتھی نے سرسید صاحب سے کہا کہ آپ بھی عجیب انسان ہیں، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اس نے اپنا چولہ بدلا اور اپنا عام لباس اتار کر عرب لباس پہنا، پھر آپ نے خود کہا کہ یہ فراڈی ہے، آ کر دھوکہ دے گا اور پیسے مانگے گا، اس کے باوجود آپ نے اس کی اتنی خاطر مدارات کی اور اس کو اتنے پیسے بھی دیے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

سرسید صاحب نے جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ مہمان بن کر آیا تھا، اس لیے میں نے اس کی خاطر تواضع کی۔ جہاں تک پیسے دینے کا تعلق ہے، اس کے دھوکہ کی وجہ سے میں اس کو پیسے نہ دیتا، لیکن چونکہ اس نے ایک ایسے بڑے بزرگ کا نام لے لیا جس کے بعد میری جرأت نہیں ہوئی کہ میں انکار کروں، کیوں کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان اولیاء کرام میں سے ہیں کہ اگر اس شخص کو ان سے دور دراز کی بھی نسبت تھی تو اس نسبت کا احترام کرنا میرا فرض تھا، شاید اللہ تعالیٰ میرے اس نسبت کے احترام پر میری مغفرت فرمادیں۔ اس لیے میں نے اس کو پیسے بھی دے دیے۔

دین کی نسبت کا احترام

یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور انہوں نے یہ واقعہ اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک طرف سرسید صاحب نے مہمان کا اکرام کیا اور دوسری طرف بزرگان دین کی نسبت کا احترام کیا، کیوں کہ جو شخص اللہ کا ولی ہے اور اس کی طرف کسی شخص کو ذرا سی بھی نسبت ہوگئی ہے اگر اس نسبت کا احترام کر لیا تو کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اس نسبت کے اکرام ہی کی بدولت نوازش فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین۔

بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ کسی بھی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو۔

عام جلسے میں معزز کا اکرام

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ جو عام اجتماع گاہ یا مجلس یا مسجد ہوتی ہے اس کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں یا کسی مجلس میں یا کسی اجتماع میں جس جگہ جا کر پہلے بیٹھ جائے وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ مثلاً مسجد کی اگلی صف میں جا کر اگر کوئی شخص پہلے بیٹھ جائے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، اب دوسرے شخص کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس سے کہے کہ بھائی! تم اس جگہ سے ہٹ جاؤ، یہاں میں بیٹھوں گا، بلکہ جس شخص کو جہاں جگہ مل جائے وہ وہاں بیٹھ جائے، لیکن اگر اسی مجلس میں یا عام اجتماع میں یا مسجد میں کوئی ایسا شخص آجائے جو اپنی قوم کا معزز فرد ہے تو اس کو آگے بٹھانا اور دوسروں سے آگے جگہ دینا بھی اس

حدیث کے مفہوم میں داخل ہے۔ ہمارے بزرگوں کا معمول یہ ہے کہ جب کسی مجلس میں سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوں اور اس وقت کوئی معزز مہمان آجائے تو اس معزز مہمان کو اپنے قریب بٹھاتے ہیں اور اگر اس کو قریب بٹھانے کے لیے دوسروں سے یہ بھی کہنا پڑے کہ تھوڑا سا پیچھے ہو جائیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

یہ حدیث پر عمل ہو رہا ہے

یہ بات اس لیے عرض کر دی کہ اس طرز عمل پر ہمارے بزرگوں کا معمول رہا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کا تو حکم یہ ہے کہ جو شخص پہلے آجائے اور اس کو جہاں جگہ مل جائے، وہ وہاں بیٹھ جائے۔ اب اگر کوئی شخص دیر سے آیا ہے اور اس کو پیچھے جگہ مل رہی ہے تو اس کو چاہیے کہ وہیں پیچھے بیٹھے، لیکن یہ بزرگ صاحب دوسروں کا حق پامال کر کے دیر سے آنے والے کو آگے کیوں بلارہے ہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ وہ آگے بلانے والے بزرگ درحقیقت اس حدیث پر عمل فرماتے ہیں کہ

”إِذَا تَأْتَاكُمْ كَرِيمٌ قَوْمٌ فَآكُرْ مَوْه“

یعنی جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آجائے تو تم اس کا اکرام کرو۔

بلکہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) وہ اس بات کا بڑا خیال فرماتے تھے، یہاں تک کہ اگر کوئی بڑا آدمی مسجد میں آجاتا اور اگلی صف کے لوگ اس کو جگہ نہ دیتے

تو حضرت والا اس طرز عمل پر لوگوں کو خاص طور پر متنبہ فرماتے کہ بھائی یہ یا انداز ہے؟ تمہیں چاہیے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایسے معزز آدمی کو جگہ دو اور اس کو یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ نا انصافی ہے، بلکہ یہ بھی اس حدیث کے ارشاد پر عمل کا ایک حصہ ہے۔

معزز کا اکرام باعث اجر ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر ایک جملہ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی یاد رکھنے کا ہے، وہ یہ کہ

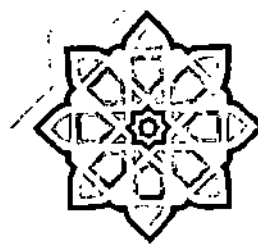
”کوئی شخص کافر ہو یا فاسق ہو، اگر اس کے آنے پر اس کا اکرام اس حدیث پر عمل کرنے کی نیت سے ہو تو ان شاء اللہ باعث اجر ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہے، لیکن اگر اس کا اکرام اس نیت سے کرے کہ میں اگر اس کا اکرام کروں گا تو یہ فلاں موقع پر میرے کام آئے گا یا فلاں موقع پر اس سے سفارش کراؤں گا یا اس سے فلاں دنیاوی مقصد حاصل کروں گا، گویا کہ ایک فاسق یا کافر کے اکرام کا مقصد دنیاوی لالچ ہے اور اس سے پیسے بٹورنا مقصود ہے یا اپنے لیے کوئی منصب حاصل کرنا ہے، تو اس صورت میں یہ اکرام درست نہیں۔“

لہذا اکرام کرتے وقت نیت درست ہونی چاہیے، یعنی یہ نیت ہونی چاہیے کہ چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اس لیے اس حکم

کی تعمیل میں یہ اکرام کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

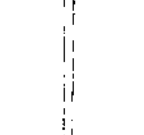
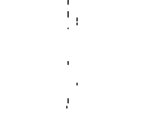




بڑوں سے آگے مت بڑھو



(اصلاحی خطبات ۱۶/۲۰۶)





بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بڑوں سے آگے مت بڑھو



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا كَثِيرًا - أَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ

لَا تَشْفُرُونَ (۱)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم، وصدق رسوله
النبي الكريم، ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين،
والحمد لله رب العالمين۔

سورة الحجرات دو حصوں پر مشتمل ہے

بزرگان محترم و برادران عزیز! میں نے آپ کے سامنے سورة الحجرات کی
ابتدائی دو آیات تلاوت کیں، یہ سورت دو حصوں پر منقسم ہے، پہلا حصہ نبی اکرم
سرور دو عالم ﷺ کی تعظیم و تکریم اور آپ کے ساتھ معاملات کرنے کے
آداب پر مشتمل ہے، یعنی مسلمانوں کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کس طرح
معاملہ کرنا چاہیے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کے باہمی معاشرت اور تعلقات کے
احکام اور آداب پر مشتمل ہے۔

قبیلہ بنو تمیم کے وفد کی آمد

اس سورت کا پہلا حصہ جس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوا، وہ واقعہ یہ
تھا کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قبیلہ بنو تمیم کا ایک وفد مسلمان ہو کر آیا۔
اس زمانے میں مختلف قبائل کے وفود اسی غرض سے نبی کریم ﷺ کی خدمت
میں آرہے تھے اور حضور ﷺ سے اسلامی تعلیمات حاصل کر رہے تھے، جب
کوئی وفد واپس جانے کا ارادہ کرتا تو اس وقت حضور ﷺ انہی میں سے ایک کو

(۱) سورة الحجرات آیت (۲۱)۔

ان کا امیر مقرر فرمادیتے تاکہ آئندہ وہ امیر حضور اقدس ﷺ سے رابطہ رکھے اور آپ کے احکام اپنے قبیلے کے لوگوں تک پہنچانے میں معاون ثابت ہو۔

حضرات شیخین کا اپنے طور پر امیر مقرر کرنا

جب قبیلہ بنو تمیم کا وفد آیا اور اسلامی تعلیمات حاصل کر کے جانے کا ارادہ کیا تو اس وقت ان کے اندر بھی ایک کو امیر مقرر کرنا تھا، لیکن ابھی تک آپ نے کسی کو متعین فرما کر اعلان نہیں کیا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ بھی تشریف فرما تھے، قبل اس کے کہ آپ ﷺ خود قبیلہ بنو تمیم کے لیے کسی امیر کا تعین فرمائیں، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے آپس میں یہ مشورہ شروع کر دیا کہ بنو تمیم میں سے کس کو امیر بنانا چاہیے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قعقاع ابن معبد کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اقرع بن حابس کو امیر بنانے کی تجویز پیش کی اور ہر ایک نے اپنی تجویز کے حق میں دلائل دینے شروع کر دیے، اس گفتگو کے دوران ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، جبکہ حضور اکرم عالم ﷺ اس مجلس میں موجود تھے، اس موقع پر سورۃ الحجرات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں (۱)۔

دو غلطیاں سرزد ہوئیں

ان آیات نے حضرات شیخین کو متنبہ فرمایا کہ اس خاص واقعے میں دو

(۱) صحیح البخاری ۵/۱۶۸ (۴۳۶۷) و ۱۳۷/۶ (۵۸۴۷) و اسباب النزول للواحدی ص ۴۰۱ (۷۵۲)

باتیں غلط ہوئیں۔ ایک یہ کہ جب ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ موضوع نہیں اٹھایا تھا، نہ آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تھا کہ بتاؤ کس کو امیر بنایا جائے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان سے پہلے اور مشورہ طلب کرنے سے پہلے یہ گفتگو جو شروع کی گئی یہ مناسب نہیں تھی، بلکہ غلط اور قابل اعتراض تھی۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ گفتگو کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ان دونوں حضرات کی آوازیں بلند ہو گئیں، حالانکہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں تشریف فرما ہوں تو کسی شخص کا بلند آواز سے بولنا آپ کی تعظیم اور تکریم کے مناسب نہیں تھا، اس لیے آئندہ اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

پہلی غلطی پر تشبیہ

بہر حال! سورۃ الحجرات میں سب سے پہلے ان دو غلطیوں پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا أَيْدِيَكُمْ عَلَىٰ

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے

کی کوشش مت کرو۔“

یہ اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے، اس آیت کا پس منظر وہی ہے کہ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم میں سے کسی کو امیر بنانے کا مسئلہ چھیڑا نہیں تھا، نہ خود آپ نے اعلان کیا تھا اور نہ ہی صحابہ کرام سے مشورہ طلب کیا تھا، اس سے پہلے اپنی طرف سے اس کی گفتگو چھیڑ دینا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کے مترادف تھا، اس پر تشبیہ فرمائی۔

یہ قرآن قیامت تک رہنمائی کرتا رہے گا

لیکن قرآن کریم کا یہ عجیب و غریب معجزانہ اسلوب ہے کہ بسا اوقات ایک آیت کسی خاص واقعہ پر نازل ہوتی ہے کہ کوئی واقعہ پیش آیا اور اس میں مسلمانوں کو تعلیم دینی مقصود تھی، کوئی ہدایت دینی مقصود تھی، اس پر آیت نازل فرمادی، لیکن یہ قرآن کریم قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے آیا ہے، اس لیے الفاظ ایسے لاتے ہیں کہ جس سے وہ رہنمائی اس واقعہ کی حد تک محدود نہ رہے، بلکہ قیام قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ایک ابدی رہنمائی ثابت ہو، چنانچہ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ بنو تمیم کے وفد میں سے کسی ایک کو امیر بنانے کے سلسلے میں تم لوگوں نے حضور ﷺ کے فرمانے سے پہلے کیوں بات شروع کر دی۔ یہ نہیں فرمایا، بلکہ ایک عام حکم دے دیا کہ ”اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو“۔ اس ایک جملے سے بہت سارے احکام نکل رہے ہیں، کیا کیا احکام ہیں؟ آج کی محفل میں اسی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

حضور کی اجازت کے بغیر گفتگو جائز نہیں

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو“۔ اس حکم سے ایک براہ راست مفہوم تو یہ نکل رہا ہے کہ جو موضوع حضور ﷺ نے ابھی چھیڑا نہیں، اس پر حضور ﷺ کے ارشاد اور اجازت کے بغیر گفتگو کرنا جائز نہیں، یہ تو ایک واقعہ تھا، لیکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ بھی اس طرح کی صورت پیش آجائے، اس لیے یہ حکم دے دیا کہ جو معاملہ حضور ﷺ نے ابھی چھیڑا نہیں، اس پر اپنی طرف سے رائے زنی شروع نہ کرو۔

عالم سے پہلے گفتگو کرنا جائز نہیں

اسی آیت کے تحت علماء کرام نے فرمایا کہ چونکہ یہ قرآن کریم قیامت تک کے لیے ابدی ہدایت ہے، لہذا اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے درمیان تشریف فرما نہیں رہے، لیکن ان کے وارثین ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ

”العلماء ورثة الانبياء“ (۱)

یعنی: ”علماء انبیاء کے وارث ہیں۔“

اس لیے مفسرین نے فرمایا کہ یہی حکم ان مقتدا علماء کا بھی ہے جن کی بات لوگ سنتے ہوں اور مانتے ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین اور شریعت کا علم عطا فرمایا ہو۔ ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر ان کی مجلس میں کوئی سوال کیا گیا ہو تو ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر کسی شخص کا ان عالم کی اجازت کے بغیر اپنی طرف سے بول پڑنا اس عالم کی تعظیم و تکریم کے بھی خلاف ہے اور آدابِ مجلس کے بھی خلاف ہے اور بے ادبی ہے یا ابھی تک کسی موضوع پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دی، اس سے پہلے لوگوں نے خود سے آپس میں اس موضوع پر گفتگو شروع کر دی، یہ بھی آدابِ مجلس کے خلاف ہے اور بے ادبی ہے، البتہ اگر خود صاحبِ مجلس مشورہ طلب کرے کہ فلاں مسئلہ ہے، آپ حضرات اپنی رائے دیں، تو اس صورت میں آزادی کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کریں یا اگر کسی

(۱) سنن ابی داؤد ۳/۳۱۷ (۳۶۴۱) و سنن الترمذی ۴/۴۱۴ (۲۶۸۲) وقال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ فی ”فتح الباری“ ۱/۱۶۰: ”وَحَسَنَةُ حَمْرَةَ الْكِنَانِي، وَضَعْفُهُ غَيْرُهُمْ بِاضْطِرَابٍ فِي سَنَدِهِ، لَكِنْ لَهُ شَوَاهِدٌ يَتَّقَوْنَ بِهَا“.

موضوع پر کوئی بات چھیڑنی ہے تو پہلے صاحبِ مجلس سے اجازت لے کہ کیا اس مسئلے پر گفتگو کر لی جائے؟ اگر وہ اجازت دے دے تو پھر بے شک اس پر گفتگو کریں، لیکن بغیر اجازت کے گفتگو شروع نہ کریں، کیونکہ اس کے نتیجے میں صاحبِ مجلس سے آگے بڑھنا لازم آئے گا، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، اس آیت کا ایک براہِ راست مفہوم تو یہ تھا۔

راتے میں نبی یا علماء سے آگے بڑھنا

اس آیت سے دوسرا حکم یہ نکل رہا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے ہوں تو راستے میں چلنے کے دوران ان سے آگے بڑھنا بے ادبی ہے۔ آپ کی عظمت کا اور آپ کی تعظیم و تکریم کا تقاضہ یہ ہے کہ جب آپ کے ساتھ چلیں تو ذرا سا پیچھے ہو کر چلیں، آگے آگے نہ چلیں، یہ بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے۔ اس حکم کے بارے میں بھی مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ حکم بھی قیامِ قیامت تک کے لیے ہے، لہذا انبیاء کرام کے وارثین کے بارے میں بھی یہ حکم ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے کسی بڑے کے ساتھ، مثلاً کسی عالم کے ساتھ، شیخ کے ساتھ، استاد کے ساتھ چل رہا ہے تو اس کو ان سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے یا تو ساتھ ساتھ چلے یا ذرا سا پیچھے رہے، آگے بڑھنا بے ادبی ہے، جس کی اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، یہ دوسرا حکم تھا۔

سنت کی اتباع میں کامیابی ہے

تیسرا حکم جو اس آیت سے نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ تمہاری دنیا و آخرت کی صلاح اور فلاح اور کامیابی کا دار و مدار نبی کریم ﷺ کی سنت کی اتباع میں

ہے، لہذا جو آپ کی سنت ہو اس پر عمل کرو، آپ سے آگے بڑھنے کی ہوشیاری نہ کرو، یعنی آپ نے جس طرح زندگی گزاری ہے، جس میں آپ نے تمام اہل حقوق کو ان کا حق دیا، اپنے نفس کا حق ادا کیا، اپنے گھر والوں کا حق ادا کیا، اپنے ملنے جلنے والوں کا حق ادا کیا، اپنے دوست و احباب کا حق ادا کیا، اس طرح تم بھی حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گزارو، ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کا شائبہ پیدا ہو جائے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرو۔

تین صحابہ کے عبادات کے ارادے

ایک حدیث میں آتا ہے کہ چند صحابہ کرام تشریف فرما تھے، انہوں نے آپس میں یہ گفتگو شروع کی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس مقام تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور آپ گناہوں سے معصوم ہیں، آپ سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی بھول چوک ہو تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (۱)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اگلی پچھلی بھول چوک بھی معاف کر دی ہیں۔ لہذا آپ کو زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت نہیں، اس لیے آپ تو سو بھی جاتے ہیں اور دن میں افطار بھی کر لیتے ہیں، لیکن ہمیں تو جنت کی بشارت نہیں ملی ہے، جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہوئی ہے، اس وجہ سے ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ اس گفتگو کے بعد ان میں سے ایک صحابی نے یہ کہا

(۱) سورة الفتح آیت (۲)۔

کہ میں آج سے رات کو نہیں سوؤں گا، بلکہ ساری رات تہجد پڑھا کروں گا۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ اب میں ساری زندگی روزے رکھوں گا، کوئی دن بھی روزے کے بغیر نہیں گزاروں گا۔ تیسرے صحابی نے کہا کہ زندگی بھر شادی نہیں کروں گا تا کہ میں بیوی بچوں میں مشغول ہونے کے بجائے عبادت میں مشغول رہوں اور عبادت سے غافل نہ ہوں۔

کوئی شخص نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا

اب آپ دیکھیے کہ ان تین صحابہ نے جو ارادے کیے وہ نیکی کے ارادے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ارادہ کیا۔ جب حضور ﷺ کو پتہ چلا کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ ارادے کیے ہیں، تو آپ نے ان تینوں کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ

”ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا“

یعنی اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت مجھے حاصل ہے، اتنی معرفت کائنات میں کسی کو حاصل نہیں اور اللہ کا خوف اور تقویٰ جتنا اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے، کائنات میں کسی کو اتنا تقویٰ حاصل نہیں، اس کے باوجود میں سوتا بھی ہوں اور رات کو اٹھ کر نماز بھی پڑھتا ہوں، کسی دن روزہ رکھتا ہوں، کسی دن روزہ نہیں رکھتا اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں یاد رکھو! اسی سنت میں تمہارے لیے نجات ہے۔

”فمن رغب عن سنتی فلیس منی“

”اگر کوئی شخص میری سنت سے اعراض کرے گا، تو وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ (۱)

اس حدیث کے ذریعے حضور اقدس ﷺ نے یہ بتا دیا کہ دنیا و آخرت کی ساری صلاح اور فلاح نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی اتباع میں ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نبی سے آگے بڑھ جاؤں یا درکھیے! کوئی شخص بھی نبی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

حقوق کی ادائیگی اتباع سنت ہے

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عبادت فرض کی ہے اور عبادت کی ترغیب دی ہے، اسی طرح تم پر کچھ حقوق بھی عائد کیے ہیں۔ تمہارے جان کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملنے جلنے والوں کا بھی تم پر حق ہے۔ جب تم ان تمام حقوق کی ادائیگی ایک ساتھ کرو گے تو اتباع سنت ہوگا، لیکن اگر راہوں کی طرح جنگل میں جا کر بیٹھ گئے اور یہ کہا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر یہاں پر ”اللہ اللہ“ کروں گا، یہ حضور اقدس ﷺ کی سنت کی اتباع نہیں ہے۔ بہر حال! اس آیت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، بلکہ جس کام کو جس حد میں کرنے کا حکم دیا ہے، اس کام کو اسی حد میں رکھو، اس سے آگے نہ بڑھو۔

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۳ (۲۰) و ۲/۷ (۵۰۶۳) و صحیح مسلم ۲/۱۰۲۰ (۱۴۰۱)۔

دین "اتباع" کا نام ہے

یاد رکھیے! اپنی خواہش اور اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں، بلکہ دین نام ہے اتباع کا۔ اللہ کے حکم کی اتباع، اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع کا نام "دین" ہے، لہذا جس وقت اللہ اور اللہ کے رسول کا جو حکم آجائے اور آپ کی اتباع کا جو تقاضا ہو، وہی خیر ہے اور وہی اطاعت ہے اور اسی میں تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے، اپنی طرف سے کوئی راستہ مقرر کر کے چل پڑنا کہ میں تو یہ کروں گا، یہ بات صحیح نہیں۔ لہذا اللہ اور اس کے رسول سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو، اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ جو کام حضور اقدس ﷺ نے کیا تھا، مجھے تو وہ کام کرتے ہوئے شرم آتی ہے تو گویا وہ شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میرا حضور اقدس ﷺ سے زیادہ اونچا مقام ہے، میں بڑا آدمی ہوں، اس لیے یہ کام میں نہیں کرتا۔ العیاذ باللہ! یہ بھی درحقیقت حضور اقدس ﷺ سے آگے بڑھنے میں داخل ہے، اس کی متعدد مثالیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واقعات میں ملتی ہیں۔

بارش میں گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جب بارش ہو رہی ہو اور کچھ اتنا زیادہ ہو جائے کہ لوگوں کو اس میں چلنے میں بہت زیادہ دقت ہو اور پھسلنے کا اندیشہ ہو، پاؤں لت پت ہو جائے اور کپڑے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو شریعت نے ایسے موقع پر رخصت دی ہے کہ مسجد کے بجائے آدمی گھر میں نماز پڑھ لے۔ اب آج کل ہم لوگ شہر میں رہتے ہیں، جہاں گلیاں اور سڑکیں پکی

بنی ہوئی ہیں، اس لیے یہاں بارش ہونے سے یہ صورت حال پیدا نہیں ہوتی کہ اتنا کیچڑ ہو جائے کہ آدمی کے لیے چلنا دشوار ہو جائے، لیکن جہاں کچے مکانات اور کچی گلیاں ہوں، وہاں آج بھی یہ حکم موجود ہے کہ ایسی صورت میں جماعت معاف ہو جاتی ہے اور آدمی کے لیے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے^(۱)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے ہیں، وہ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے تھے، اذان کا وقت ہو گیا اور ساتھ ہی تیز موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، مؤذن نے اذان دی، اس کے بعد آپ نے مؤذن سے کہا کہ یہ اعلان کر دو کہ

”الصلوة فی الرحال“

یعنی سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی الفاظ ثابت ہیں کہ ایسے موقع پر یہ اعلان کر دینا چاہیے۔ اب لوگوں کے لیے یہ بات بڑی اجنبی تھی، اس لیے کہ ساری زندگی تو دیکھتے آرہے تھے کہ مسجد سے تو یہ اعلان ہوتا ہے کہ

”حَتَّىٰ عَلَى الصَّلَاةِ، حَتَّىٰ عَلَى الْفَلَاحِ“

نماز کے لیے آؤ، کامیابی کے لیے آؤ۔

لیکن یہاں اُلٹا اعلان ہو رہا ہے کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھو، چنانچہ

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۲۹ (۶۳۲) و ۱/۱۳۴ (۶۶۶) و صحیح مسلم ۱/۴۸۴ (۶۹۷)



لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر اعتراض کیا کہ حضرت! یہ آپ لیا کر رہے ہیں؟ آپ لوگوں کو مسجد میں آنے سے منع کر رہے ہیں؟ جواب میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

“نعم! فعل ذلك من هو خیر منی و منک“

ہاں میں ایسا ہی اعلان کراؤں گا، کیونکہ یہ اعلان اس ذات نے بھی کرایا ہے جو مجھ سے بھی بہتر ہے اور تم سے بھی بہتر ہے (یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) (۱)۔

لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے تو اعلان کرنا بُرا لگتا ہے اور مجھے ایسا اعلان کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا اور یہ رخصت دی اور تم کہتے ہو کہ میں یہ رخصت نہیں دیتا، مجھے یہ اعلان کرنا بُرا لگتا ہے۔ بہر حال! دین کے کسی بھی معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی تعلیم سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے کی ممانعت بھی اس آیت کے مفہوم میں داخل ہے۔

اللہ سے ڈرو

آگے فرمایا:

وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ① (۲)

”اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں اور سب

(۱) صحیح البخاری ۱/۱۲۶ (۶۱۶) و ۱/۱۳۴ (۶۶۸)

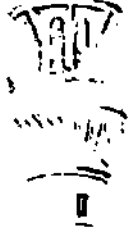
(۲) سورة الحجرات آیت (۱)۔

کچھ جانتے ہیں۔“

بہر حال! اللہ اور اللہ کے رسول سے آگے بڑھنے کی تین مثالیں تو میں نے
آپ کے سامنے عرض کر دیں، کچھ اور مثالیں ابھی بیان کرنا باقی ہیں، وقت ختم
ہو رہا ہے۔ اللہ نے زندگی عطاء فرمائی تو آئندہ جمعہ میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین





پیار کی عیادت کے آداب



(اصلاحی خطبات ۶/۱۶۳)



بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بیمار کی عیادت کے آداب



الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ
سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ
يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدَهُ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا - أَمَا بَعْدُ!

عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال: امرنا رسول الله
صلى الله عليه وسلم بسبع: "عيادة المريض، واتباع الجنائز،
وتشميت العاطس، ونصر الضعيف، وعون
المظلوم، وافشاء السلام، وابرار المقسم." (۱)

(۱) صحیح البخاری ۱۲۹/۳ (۲۴۶۵) و ۲۴/۷ (۵۱۷۵) و صحیح مسلم ۱۶۳۵/۳ (۲۰۶۶)۔

سات باتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا:

- ① مریض کی عیادت کرنا
- ② جنازوں کے پیچھے چلنا
- ③ چھینکنے والے کے الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا۔
- ④ کمزور آدمی کی مدد کرنا
- ⑤ مظلوم کی امداد کرنا
- ⑥ سلام کو رواج دینا
- ⑦ قسم کھانے والے کی قسم کو پورا کرنے میں تعاون کرنا۔

یہ ساتوں چیزیں جن کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حکم فرمایا ہے، بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اس لیے ایک مسلمان کی زندگی کے آداب میں سے ہے کہ وہ ان باتوں کا اہتمام کرے، اس لیے ان ساتوں چیزوں کو تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام باتوں پر سنت کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بیمار پرسی ایک عبادت

سب سے پہلی چیز جس کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا وہ ہے مریض کی عیادت کرنا اور بیمار کی بیمار کی پرسی کرنا۔ مریض کی عیادت کرنا یہ مسلمان کے

حقوق میں سے بھی ہے اور یہ ایسا عمل ہے جس کو ہم سب کرتے ہیں، شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے زندگی میں کبھی بیمار پرسی نہ کی ہو، لیکن ایک بیمار پرسی تو صرف رسم پوری کرنے کے لیے کی جاتی ہے کہ اگر ہم اس بیمار کی عیادت کرنے کے لیے نہ گئے تو لوگوں کو شکایت ہوگی، ایسی صورت میں انسان دل پر جبر کر کے عیادت کرنے کے لیے جاتا ہے۔ اس لیے کہ دل میں اخلاص نہیں ہے، ایک عیادت تو یہ ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ جس عیادت کا ذکر فرما رہے ہیں یہ وہ عیادت ہے جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے علاوہ کچھ اور نہ ہو، اخلاص کے ساتھ اجر و ثواب حاصل کرنے کی نیت سے انسان عیادت کرے۔ احادیث میں جو فضائل بیان کیے گئے ہیں وہ اسی عیادت پر مرتب ہوتے ہیں۔

سنت کی نیت سے بیمار پرسی کریں

مثلاً آپ ایک شخص کی عیادت کرنے جا رہے ہیں اور دل میں یہ خیال ہے کہ جب ہم بیمار پڑیں گے تو یہ بھی ہماری عیادت کے لیے آئے گا، لیکن اگر یہ ہماری عیادت کے لیے نہیں آئے گا تو پھر آئندہ ہم بھی اس کی عیادت کے لیے نہیں جائیں گے، ہمیں اس کی عیادت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت ”بدلے“ کے لیے ہو رہی ہے، رسم پوری کرنے کے لیے ہو رہی ہے، ایسی عیادت پر کوئی ثواب نہیں ملے گا، لیکن جب عیادت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو تو اس صورت میں آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ میں جب بیمار ہوا تھا، اس وقت یہ میری عیادت کے لیے آیا تھا یا نہیں؟، بلکہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر یہ نہیں بھی آیا تھا تب بھی میں اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس جاؤں

گا، کیونکہ حضور مہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ عبادت خالصتاً اللہ کے لیے کی جا رہی ہے۔

شیطانی حربہ

یہ شیطان ہمارا بڑا دشمن ہے، اس نے ہماری اچھی خاصی عبادتوں کا لمبا میٹ کر رکھا ہے، اگر ان عبادتوں کو ہم صحیح نیت اور ارادے سے کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں بڑا اجر و ثواب ملے اور آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے، لیکن شیطان یہ نہیں چاہتا کہ ہمارے لیے آخرت میں اجر و ثواب کا بڑا ذخیرہ تیار ہو جائے، اس لیے وہ ہماری بہت سی عبادتوں میں نیتوں کو خراب کرتا رہتا ہے۔ مثلاً عزیزوں اور رشتے داروں یا دوست احباب سے میل ملاقات کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کو ہدیہ اور تحفہ دینا، یہ سب بڑے اجر و ثواب کے کام ہیں اور سب دین کا حصہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں اور ان کاموں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے اجر و ثواب کے وعدے ہیں، لیکن شیطان نیت کو خراب کر دیتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ شخص یہ سوچتا ہے کہ جو شخص میرے ساتھ جیسا سلوک کرے گا میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا۔ مثلاً فلاں شخص کے گھر سے میرے گھر کبھی ہدیہ نہیں آیا، میں اس کے گھر کیوں ہدیہ بھیجوں؟ جب میرے ہاں شادی ہوئی تھی تو اس نے کچھ نہیں دیا تھا، میں اس کے ہاں شادی میں کیوں ہدیہ دوں؟ اور فلاں شخص نے چونکہ ہمارے ہاں شادی کے موقع پر تحفہ دیا تھا، لہذا میں بھی اس کی شادی میں ضرور تحفہ دوں گا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مسلمان بھائی کو ہدیہ اور تحفہ دینے کا عمل جس کی حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فضیلت بیان فرمائی تھی۔



شیطان نے اس کے اجر و ثواب کو خاک میں ملا دیا اور اب آپس میں ہدیہ اور تحفہ کا جو لین دین ہو رہا ہے، وہ بطور رسم کے ہو رہا ہے اور بطور ”نیوتہ“ ہو رہا ہے، یہ صلہ رحمی نہیں ہے۔

صلہ رحمی کی حقیقت

صلہ رحمی وہ ہے جو اس بات کو دیکھے بغیر کی جائے کہ دوسرے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات پر قربان جائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

”لیس الواصل بالکافی ولكن الواصل الذی اذا
قطعت رحمہ وصلہا“^(۱)

یعنی وہ شخص صلہ رحمی کرنے والا نہیں جو مکافات کرے اور بدلہ دے اور ہر وقت اس ناپ تول میں لگا رہے کہ اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور میں اس کے ساتھ کیا سلوک کروں، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا درحقیقت وہ شخص ہے کہ دوسرے شخص کے قطع رحمی کرنے کے باوجود یہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر رہا ہے یا مثلاً دوسرا شخص تو اس کے لیے کبھی کوئی تحفہ نہیں لایا، لیکن یہ اس کے لیے تحفہ لے کر جا رہا ہے اور اس نیت سے لے جا رہا ہے کہ ہدیہ دینے کا مقصد تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کرنا ہے، لہذا اب یہ دوسرا شخص ہدیہ دے یا نہ دے میں تو ہدیہ دوں گا، اس لیے کہ میں ”بدلہ“ کا قائل نہیں ہوں میں اس کو درست نہیں سمجھتا۔ حقیقت میں ایسا شخص صلہ رحمی

(۱) صحیح البخاری ۷۸ (۵۹۹۱) وسنن ابی داؤد ۱۳۲/۲ (۱۶۹۷)۔

کرنے والا ہے، لہذا ہر معاملے میں ترازو لے کر مت بیٹھ جایا کرو کہ اس نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا، جیسا اس نے کیا تھا میں بھی ویسا ہی کروں گا، یہ غلط ہے، بلکہ صلہ رحمی کو عبادت سمجھ کر انجام دینا چاہیے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت آپ کو یہ خیال آتا ہے کہ میرا دوست تو نماز نہیں پڑھتا، اس لیے میں بھی نماز نہیں پڑھتا یا میرا دوست جیسی نماز پڑھتا ہے، میں بھی ویسی ہی پڑھوں۔ نماز کے وقت یہ خیال نہیں آتا اس لیے کہ اس کی نماز اس کے ساتھ، تمہاری نماز تمہارے ساتھ، اس کا عمل اس کے ساتھ، تمہارا عمل تمہارے ساتھ، بالکل اسی طرح صلہ رحمی بھی ایک عبادت ہے، اگر وہ صلہ رحمی کی عبادت انجام نہیں دے رہا ہے تو تم اس عبادت کو انجام دو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرو۔ اسی طرح اگر وہ تمہاری عبادت کے لیے نہیں آ رہا ہے تو تم اس کی عبادت کے لیے جاؤ، اس لیے کہ عبادت کرنا بھی ایک عبادت ہے۔

بیمار پرسی کی فضیلت

یہ عبادت بھی ایسی عظیم الشان ہے کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا:

”ان المسلم إذا عاد أخاه المسلم لم يزل في خرفة
الجنة حتى يرجع“ (۱)

جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کی عبادت کرتا ہے، جتنی دیر وہ عبادت کرتا ہے، وہ مسلسل جنت کے باغ

(۱) صحیح مسلم ۱۹۸۹/۴ (۲۵۶۸)۔

میں رہتا ہے۔ جب تک وہ واپس نہ آجائے۔

ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ما من مسلم يعود مسلماً غدوة الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يمسي، وان عادہ عشية الا صلى عليه سبعون الف ملك حتى يصبح، وكان له خريف في الجنة“ (۱)

جب کوئی مسلمان بندہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو صبح سے لے کر شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو شام سے لے کر صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے ایک باغ متعین فرمادیتے ہیں۔

ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں حاصل کریں

یہ کوئی معمولی اجر و ثواب ہے؟ فرض کریں کہ گھر کے قریب ایک پڑوسی بیمار ہے تم اس کی عیادت کے لیے چلے اور پانچ منٹ کے اندر اتنے عظیم الشان اجر کے مستحق بن گئے۔ کیا پھر یہ بھی دیکھو گے وہ میری عیادت کے لیے آیا تھا یا

(۱) سنن الترمذی ۲۹۰/۲ (۹۶۹) وقال: هذا حديث حسن غريب، وقد روي عن علي هذا الحديث من غير وجه، منهم من وقفه ولم يرفعه، وأبو فاختة اسمه سعيد بن علاقة.

نہیں؟ اگر اس نے یہ ثواب حاصل نہیں کیا، اگر اس نے ستر ہزار فرشتوں کی دعائیں نہیں لیں اگر اس نے جنت کا باغ حاصل نہیں کیا تو کیا تم یہ کہو گے کہ میں بھی جنت کا باغ حاصل نہیں کرنا چاہتا اور مجھے بھی ستر ہزار فرشتوں کی دعاؤں کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ اسے ضرورت نہیں۔ دیکھیے! اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ نے کتنا آسان بنا دیا ہے، لوٹ کا معاملہ ہے۔ اس لیے عیادت کے لیے جاؤ، چاہے دوسرا شخص تمہاری عیادت کے لیے آئے یا نہ آئے۔

اگر بیمار سے ناراضگی ہو تو

بلکہ اگر وہ بیمار ایسا شخص ہے جس کی طرف سے تمہارے دل میں کراہیت ہے، اس کی طرف سے دل کھلا ہوا نہیں ہے، طبیعت کو اس سے مناسبت نہیں ہے، پھر بھی عیادت کے لیے جاؤ گے تو ان شاء اللہ دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک عیادت کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک ایسا مسلمان جس کی طرف سے دل میں انقباض تھا، اس پر علیحدہ ثواب ملے گا، لہذا مریض کی عیادت معمولی چیز نہیں ہے، خدا کے لیے رسم بنا کر اس کے ثواب کو ضائع مت کرو، صرف اس نیت سے عیادت کرو کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے اور آپ ﷺ کی سنت ہے اور اس پر اللہ اجر عطا فرماتے ہیں۔

مختصر عیادت کریں

حضور اقدس ﷺ نے عیادت کے بھی کچھ آداب بیان فرمائے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی تفصیل آپ ﷺ نے بیان نہ فرمائی ہو، ایسے

ایسے آداب آپ ﷺ بتا کر تشریف لے گئے، جن کو آج ہم نے بھلا دیا اور ان آداب کو زندگی سے خارج کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ اگر ہم ان آداب اور تعلیمات پر عمل کرنا شروع کر دیں تو زندگی جنت بن جائے، چنانچہ عیادت کے آداب بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”أعظم العیادة أجرة أخفها“^(۱)

سب سے زیادہ اجر والی عیادت وہ ہے جو زیادہ ہلکی پھلکی ہو۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمدردی کی خاطر عیادت کرنے جاؤ اور جا کر اس مریض کو تکلیف پہنچا دو، بلکہ وقت دیکھ لو کہ یہ وقت عیادت کے لیے مناسب ہے یا نہیں؟ یہ وقت اس کے آرام کرنے کا تو نہیں ہے؟ یا اس وقت وہ گھروالوں کے پاس تو نہیں ہوگا؟ اس وقت میں اس کو پردہ وغیرہ کا انتظام کرانے میں تکلیف تو نہیں ہوگی، لہذا مناسب وقت دیکھ کر عیادت کے لیے جاؤ۔

یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے

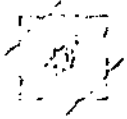
اور جب عیادت کے لیے جاؤ تو مریض کے پاس تھوڑا بیٹھو، اتنا زیادہ مت

(۱) مسند البزار ۲/۲۵۵ (۶۶۳) من حدیث علی بن ابی طالب وقال: وأحسب أن ابن ابی فدیك لم یسمع من علی بن عمر بن علی بن ابی طالب، وأوردہ الهیثمی فی ”المجمع“ ۲۰/۳ (۳۷۶۲) واكتفى علی كلام البزار. والحدیث مذکور فی ”الجامع الصغیر“ ۲۵۷/۱ (۱۱۸۱) برمز الضعف. وقال للناوی فی ”فیض القدیر“ ۳/۲ (۱۱۸۱): وقد أشار المصنف بضعفه فإما أن یکون لانقطاعه، ولكونه مع الانقطاع فیہ علة أخرى. ورواه ابن ابی الدنیا کما فی ”مجموع الرسائل“ ۲۸۳/۴ (۲۰۳) من حدیث جابر بن عبد اللہ نحوه (طبع للکتابة العصرية) وقال العراقي فی ”تخریج احادیث الاحیاء“ ۵۱۸/۱ (۲۰۰۳) وإسناده ضعيف. (طبع مكتبة طبرية)

بیٹھو جس سے اس کو گرانی ہونے لگے، حضور اقدس ﷺ سے زیادہ کون انسانی فطرت سے واقف ہو سکتا ہے۔ دیکھیے! بیماری طبعی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ ذرا بے تکلف رہے، ہر کام بلا تکلف انجام دے، لیکن جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو اس کی وجہ سے طبیعت میں تکلف آجاتا ہے۔ مثلاً وہ پاؤں پھیلا کر لیٹنا چاہتا ہے، مہمان کے احترام کی وجہ سے نہیں کر سکتا، اب ہوا یہ کہ تم تو عیادت کی نیت سے ثواب کمانے کے لیے گئے، لیکن تمہاری وجہ سے وہ بیمار مشقت میں پڑ گیا، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ عیادت میں ایسا طریقہ اختیار مت کرو، جس کی وجہ سے اس مریض پر گرانی ہو، یہ نہ ہو کہ اس کے پاس جا کر جم کر بیٹھ گئے اور ہلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اب وہ بیچارہ نہ تو بے تکلفی سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے نہ گھر والوں کو اپنے پاس بلا سکتا ہے، مگر آپ اس کی ہمدردی میں گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ طریقہ سنت کے خلاف ہے ایسی عیادت سے ثواب ہونے کے بجائے الٹا گناہ کا اندیشہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ جو بہت اونچے درجے کے صوفیاء میں سے ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے کمالات عطا فرمائے تھے۔ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ اب چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا، اس لیے آپ سے محبت کرنے والے لوگ بھی بہت تھے۔ اس لیے بیماری کے دوران عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، لوگ آرہے ہیں اور خیریت پوچھ کر واپس جا رہے ہیں، لیکن ایک صاحب ایسے آئے جو وہیں جم کر بیٹھ گئے اور واپس جانے کا نام ہی نہیں لیتے تھے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ



کی خواہش یہ تھی کہ یہ صاحب واپس جائیں تو میں اپنے ضروری کام بلا تکلف انجام دوں اور گھر والوں کو اپنے پاس بلاؤں، مگر وہ صاحب تو ادھر ادھر کی باتیں کرنے میں لگے رہے، جب بہت دیر گزر گئی اور وہ شخص جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تو آخر حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا کہ بھائی یہ بیماری تو اپنی جگہ تھی، مگر عیادت کرنے والوں نے الگ پریشان کر رکھا ہے، نہ مناسب وقت دیکھتے ہیں اور نہ آرام کا خیال کرتے ہیں اور عیادت کے لیے آجاتے ہیں۔ اس شخص نے جواب میں کہا کہ حضرت! یقیناً ان عیادت کرنے والوں کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں دروازے کو بند کر دوں؟ تاکہ آئندہ کوئی عیادت کرنے کے لیے نہ آئے۔ وہ اللہ کا بندہ پھر بھی نہیں سمجھا کہ میری وجہ سے حضرت والا کو تکلیف ہو رہی ہے۔ آخر کار حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ ہاں! دروازہ تو بند کر دو، مگر باہر جا کر بند کر دو۔^(۱) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم تکلیف پہنچا رہے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تو ان کی خدمت کر رہے ہیں۔

عیادت کے لیے مناسب وقت کا انتخاب کرو

لہذا اپنا شوق پورا کرنے کا نام عیادت نہیں اور نہ عیادت کا یہ مقصد ہے، اس کے ذریعے برکت حاصل ہو، یہ نہیں کہ بڑی محبت سے عیادت کے لیے گئے اور جا کر شیخ کو تکلیف پہنچادی۔ محبت کے لیے عقل درکار ہے، یہ نہیں کہ اظہار تو محبت کا

(۱) اس طرح کا واقعہ بغیر کسی نسبت ملا علی قاری نے مرقاة المفاتیح ۱۱۵۲/۲ میں نقل کیا ہے۔ (طبع دار الفکر)۔ واللہ اعلم۔ از مرتب۔

کر رہے ہیں اور حقیقت میں تکلیف پہنچائی جا رہی ہے، ایسی محبت محبت نہیں، بلکہ وہ دشمنی ہے، وہ نادان دوست کی محبت ہے، لہذا عیادت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جس شخص کی عیادت کے لیے گئے ہو اس کو تکلیف نہ ہو یا مثلاً آپ رات کو بارہ بجے عیادت کے لیے پہنچ گئے۔ جو اس کے سونے کا وقت ہے یا دوپہر کو آرام اور قیلولے کے وقت عیادت کے لیے پہنچ گئے اور اس کو پریشان کر دیا۔ اس لیے عقل سے کام لو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے جانے سے اس کو تکلیف نہ پہنچے تب تو عیادت سنت ہے ورنہ پھر وہ رسم ہے۔ بہر حال! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کا پہلا ادب یہ بیان فرمایا کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو۔

بے تکلف دوست زیادہ دیر بیٹھ سکتا ہے

البتہ بعض لوگ ایسے بے تکلف ہوتے ہیں کہ ان کے زیادہ دیر بیٹھنے سے بیمار کو تکلیف کے بجائے تسلی ہوتی ہے اور راحت حاصل ہوتی ہے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

میرے والد ماجد رحمہ اللہ کے ایک بے تکلف اور محبت کرنے والے استاذ حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، مسنون طریقے سے عیادت کی، جا کر سلام کیا، خیریت معلوم کی اور دعا کی اور دو چار منٹ کے بعد واپس جانے کی اجازت طلب کی، تو میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میاں! یہ جو تم نے اصول پڑھا ہے کہ

”من عاد منکم فلیخفف“

یعنی جو شخص عیادت کرے وہ ہلکی پھلکی عیادت کرے۔

کیا یہ میرے لیے ہی پڑھا تھا؟ یہ قاعدہ میرے اوپر آزار ہے ہو؟ ارے یہ اصول اس وقت نہیں ہے جب بیٹھنے والے کے بیٹھنے سے مریض کو آرام اور راحت ملے، تسلی ہو، اس کے لیے جلد واپس جانے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ، چنانچہ حضرت والد صاحب بیٹھ گئے۔ بہر حال ہر جگہ کے لیے ایک ہی نسخہ نہیں ہوتا، بلکہ جیسا موقع ہو، جیسے حالات ہو، ویسے ہی عمل کرنا چاہیے، لہذا اگر آرام و راحت پہنچانے کے لیے زیادہ بیٹھے گا تو ان شاء اللہ زیادہ ثواب حاصل ہوگا، اس لیے کہ اصل مقصود تو اس کو راحت پہنچانا ہے اور تکلیف سے بچانا ہے۔

مریض کے حق میں دعا کرو

عیادت کرنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی عیادت کے لیے جائے تو پہلے مختصراً اس کا حال دریافت کرے کہ کیسی طبیعت ہے؟ جب وہ مریض اپنی تکلیف بیان کرے تو پھر اس کے حق میں دعا کرے، کیا دعا کرے؟ یہ بھی حضور اقدس ﷺ ہمیں سکھا گئے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ ان الفاظ سے دعا دیا کرتے تھے۔

”لا بأس طهوز ان شاء اللہ“ (۱)

یعنی اس تکلیف سے آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کے لیے یہ تکلیف ان شاء اللہ آپ کے گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ بنے گی۔

اس دعا میں ایک طرف تو مریض کو تسلی دے دی کہ تکلیف تو آپ کو ضرور

(۱) صحیح البخاری ۲۰۲/۴ (۳۶۱۶) و ۱۱۷/۲ (۵۶۵۶)۔

ہے، لیکن یہ تکلیف گناہوں سے پاکی اور آخرت کے ثواب کا ذریعہ بنے گی۔ دوسری طرف یہ دعا بھی ہے کہ ”اے اللہ! اس تکلیف کو اس کے حق میں اجر و ثواب کا سبب بنا دیجیے اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنا دیجیے۔“

بیماری گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے

یہ حدیث آپ نے سنی ہوگی کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جس مسلمان کو جو کوئی تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے پاؤں میں کانٹا بھی چھبتا ہے تو اللہ اس تکلیف کے عوض کوئی نہ کوئی گناہ معاف فرماتے ہیں اور اس کا درجہ بلند فرماتے ہیں“ (۱)۔

ایک اور حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”الْحَمَىٰ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ“ (۲)

یعنی یہ ”بخارِ جہنم کی گرمی کا ایک حصہ ہے“۔

علماء کرام نے اس حدیث کی مختلف تشریحات کی ہیں۔ بعض علماء نے اس کا جو مطلب بیان فرمایا ہے اس کی بعض احادیث سے تائید بھی ہوتی ہے، وہ یہ کہ بخار کی گرمی انسان کے لیے جہنم کی گرمی کا بدلہ ہوگئی ہے۔ یعنی گناہوں کی وجہ سے آخرت میں جہنم کی جو گرمی برداشت کرنی پڑتی اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ گرمی دے دی، تاکہ جہنم کے اندر ان گناہوں کی گرمی برداشت نہ کرنی پڑے، بلکہ اس بخار کی وجہ سے وہ گناہ دنیا ہی کے اندر دھل جائے اور

(۱) صحیح البخاری ۱۱۴/۷ (۵۶۴۰-۵۶۴۱)۔

(۲) صحیح البخاری ۱۲۰/۴ (۲۳۶۱) و ۱۲۹/۷ (۵۷۲۳)۔

معاف ہو جائے، اس کی تائید اس دعا سے ہوتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے وقت کیا کرتے تھے:

”لا بأس طهور ان شاء اللہ“

یعنی کوئی غم نہ کرو یہ بخار تمہارے گناہوں سے پاکی کا ذریعہ اور سبب بن جائے گا۔

حصولِ شفاء کا ایک عمل

عیادت کرنے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر موقع مناسب ہو اور اس عمل کے ذریعے مریض کو تکلیف نہ ہو تو یہ عمل کر لے کہ مریض کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَاسَ اَنْتَ الشّٰفِى لَا شَافِيَ اِلَّا اَنْتَ فَاشْفِنِيْهِ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا^(۱)

ترجمہ: اے اللہ! جو تمام انسانوں کے رب ہیں، تکلیف کو دور کرنے والے ہیں، اس بیمار کو شفا عطا فرما، آپ شفا دینے والے، آپ کے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں اور ایسی شفا عطا فرما جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

یہ دعا جس کو یاد نہ ہو اس کو چاہیے کہ اس کو یاد کر لیں اور پھر یہ عادت بنالیں کہ جس بیمار کے پاس جائیں موقع دیکھ کر یہ دعا ضرور پڑھ لیں۔

(۱) صحیح البخاری ۱۳۲/۷ (۵۷۴۳) و صحیح مسلم ۱۷۲۱/۴ (۲۱۹۱)۔

ہر بیماری سے شفا

ایک اور دعا بھی حضور اقدس ﷺ سے منقول ہے جو اس سے بھی زیادہ آسان اور مختصر ہے، اس کو یاد کرنا بھی آسان ہے اور اس کا فائدہ بھی حضور اقدس ﷺ نے بڑا عظیم بیان فرمایا ہے وہ دعا یہ ہے:

أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ

میں عظمت والے اللہ! اور عظیم عرش کے مالک سے دعا کرتا

ہوں کہ وہ تم کو شفا عطا فرمادے۔

حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان بندہ دوسرے مسلمان بھائی کی عیادت کے وقت سات مرتبہ یہ دعا کرے تو اگر اس بیمار کی موت کا وقت نہیں آیا ہوگا تو پھر اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو صحت عطا فرمادیں گے۔ ہاں! اگر کسی کی موت ہی کا وقت آچکا ہو تو اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔^(۱)

عیادت کے وقت زاویہ نگاہ بدل لو

اور ان دعاؤں کے پڑھنے میں تین طرح سے ثواب حاصل ہوتا ہے

(۱) سنن ابی داؤد ۱۸۷/۳ (۳۱۰۶) و سنن الترمذی ۵۹۳/۳ (۲۰۸۳) والحدیث سکت عنہ ابو داؤد. وقال المنذری فی "مختصره" ۱۴۶/۳ (۲۹۷۷): وأخرجه الترمذی والنسائی، وقال الترمذی: "حسن غریب لا نعرفه إلا من حدیث المنہال بن عمرو." وهذا آخر كلامه. وفي إسناده يزيد بن عبد الرحمن أبو خالد المعروف بالذالاني، وقد وثقه أبو حاتم الرازي، وتكلم فيه غير واحد. والحدیث ذكره النووي في "خلاصه الأحكام" ۹۱۲/۲ (۳۲۲۹) وقال: حدیث صحیح، رواه أبو داؤد (طبع مؤسسة الرسالة).

ایک ثواب تو اس بات کا ملے گا کہ آپ مریض کی عیادت کے دوران حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل کیا اور وہ الفاظ کہے جو عیادت کے وقت حضور اقدس ﷺ کہا کرتے تھے، دوسرے ایک مسلمان بھائی کے ساتھ ہمدردی کا ثواب حاصل ہوگا۔ تیسرے اس کے حق میں دعا کرنے کا ثواب حاصل ہوگا، اس لیے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے لیے دعا کرنا باعث اجر و ثواب ہے، گویا کہ اس چھوٹے سے عمل کے اندر تین ثواب جمع ہیں، لہذا مریض کی عیادت تو ہم سب کرتے ہیں، لیکن عیادت کے وقت ذرا زاویہ نگاہ بدل لو اور اتباع سنت کی نیت کر لو اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کر لو اور عیادت کے جو آداب ہیں اس پر عمل کر لو (یعنی مختصر وقت کے لیے عیادت کرو اور عیادت کے وقت حضور اقدس ﷺ کی بتائی ہوئی دعائیں پڑھ لو، تو پھر ان شاء اللہ عیادت کا یہ معمولی سا عمل عظیم عبادت بن جائے گا۔) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

دین کس چیز کا نام ہے؟

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمہ اللہ ایک بڑے کام کی بات بیان فرماتے تھے، دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرماتے تھے کہ ”دین صرف زاویہ نگاہ کی تبدیلی کا نام ہے“، صرف ذرا سا زاویہ نگاہ بدل لو تو یہی دنیا دین بن جائے گی، یہی سب کام جو اب تک تم نے انجام دیے تھے وہ سب عبادت بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام بن جائیں گے، بشرطیکہ دو کام کر لو۔ ایک نیت درست کر لو دوسرے اس کا طریقہ سنت کے مطابق انجام دے دو، بس اتنا کرنے سے وہی کام دین بن جائیں گے اور بزرگوں کے پاس جانے سے

یہی فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ انسان کا زاویہ نگاہ بدل دیتے ہیں، سوئی کا انداز بدل دیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کے اعمال اور افعال کا رخ صحیح ہو جاتا ہے پہلے وہ دنیا کا کام تھا اور اب وہ دین کا کام بن جاتا ہے اور عبادت بن جاتا ہے۔

عیادت کے وقت ہدیہ لے جانا

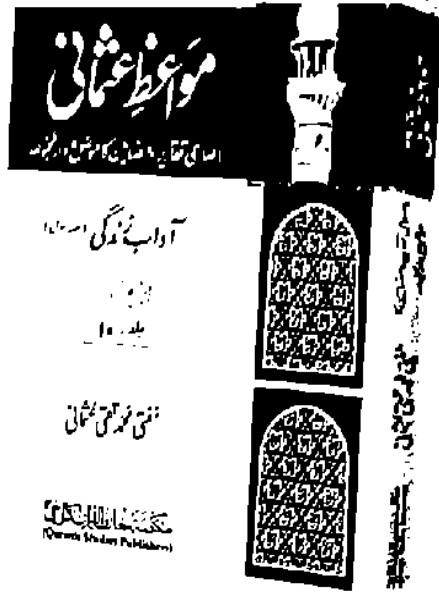
مریض کی عیادت کے موقع پر ایک رسم ہمارے یہاں جاری ہے، وہ یہ کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جب عیادت کے لیے جائیں تو کوئی ہدیہ، تحفہ ضرور لے کر جانا چاہیے۔ مثلاً پھل فروٹ یا بسکٹ وغیرہ اور اس کو اتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ بعض لوگ جب تک کوئی ہدیہ لے کر جانے کی استطاعت نہیں ہوتی، عیادت کے لیے ہی نہیں جاتے اور دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو وہ مریض یا مریض کے گھر والے کیا سوچیں گے کہ خالی ہاتھ عیادت کے لیے آگئے۔ یہ ایسی رسم ہے جس کی وجہ سے شیطان نے ہمیں عیادت کے عظیم ثواب سے محروم کر دیا ہے، حالانکہ عیادت کے وقت کوئی ہدیہ، تحفہ لے کر جانا نہ سنت ہے نہ فرض نہ واجب، پھر کیوں ہم نے اس کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ خدا کے لیے اس رسم کو چھوڑ دو اور اس کی وجہ سے عیادت کے فضائل اور اس پر ملنے والے اجر و ثواب سے محروم مت ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح فہم عطا فرمائے اور ہر کام سنت کے مطابق انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین



مواعظ عثمانی

اصلاحی تقاریر و مضامین کا
موضوع وار مجموعہ



شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جملہ مواعظ، خطبات اور تحریرات کا تخریج شدہ جامع اور مستند ترین موضوع وار مجموعہ ہے، اس مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی درج ذیل کتب کا استیعاب کیا گیا ہے:

- ✽ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ✽ اصلاحی خطبات ✽ اصلاحی مواعظ ✽ اصلاحی مجالس
- ✽ خطبات عثمانی ✽ خطبات دورہ ہند ✽ درس شعب الایمان ✽ نشری تقریریں
- ✽ فرد کی اصلاح ✽ اصلاح معاشرہ ✽ تربیتی بیانات ✽ ذکر و فکر

✽ the Islamic Months

اس کے علاوہ

- ✽ آسان ترجمہ قرآن ✽ اسلام اور ہماری زندگی ✽ انعام الباری
- ✽ تقریر ترمذی ✽ جہان دیدہ ✽ سفر و سفر
- ✽ دنیا مرے آگے ✽ اسلام اور جدید معاشی مسائل ✽ ہمارا معاشی نظام

کے منتخب مضامین، ماہنامہ البلاغ اور دیگر مجموعوں اور رسائل میں شامل شدہ، اور بعض صوتی صورتوں میں محفوظ شدہ حضرت والا دامت برکاتہم کے بیانات و خطبات کو شامل کیا گیا ہے، جس سے علماء، طلباء، خطباء اور عام پڑھے لکھے حضرات بآسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔



مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

مواعظ عثمانی جلد-10



010324